خطباتِ محمد علی

تعلیمات کراچی
تاریخ اجرا
پرائمری اسکول

خطباتِ محمد علی

مُرتّبہ

رئیس احمد جعفری

ناشر

ایوانِ اشاعت، کراچی

تاریخ اجرا

طبع اوّل
باھتمام

نصیر کرمانی

قیمت
تین روپے

مطبوعہ
ناظر پریس۔ کراچی

"انتساب"

آزاد ہندوستان کے نام!

جس کی تعمیر میں محمد علی کا اتنا ہی حصّہ

ہے، جتنا گاندھی جی کا۔!

خطبات محمد علی

فہرست

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۷	نعرۂ حق	۱
۲۴	شیر کی گرج	۲
۳۰	نغمۂ بلبل	۳
۳۵	قلم اور تلوار	۴
۳۹	کلمۂ حق	۵
۴۶	حقائق و معارف	۶
۵۱	آسمانی امانت	۷
۵۸	طوفانِ خطابت	۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹	ناکام واپسی	۷۲
۱۰	وفد خلافت کی کہانی	۷۵
۱۱	سکھوں سے خطاب	۸۵
۱۲	ہنگامہ عمل	۸۷
۱۳	افغانی ہوا	۹۷
۱۴	گجرات کانفرنس کا خطبہ..	۱۱۲
۱۵	اگر پُرامن جدوجہد ناکام ہوئی؟	۱۲۰
۱۶	شیطانی خدمت	۱۲۷
۱۷	خطبۂ صدارت	۱۴۵
۱۸	صدارتی خطبہ	۱۷۵
۱۹	برطانیہ۔ترک اور مسلمان!	۱۹۷
۲۰	مکتوب مفتوح	۲۱۱

کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افگن عشق
ہے مکرّر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

محمد علی کی زندگی

اقبالؒ کی نظر میں

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرۂ نیساں ہے زندانِ صدف سے ارجمند

شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند

محمد علی کی موت

اقبال کی نگاہ میں

یک نفس جانِ نزارِ او تپید اندر فرنگ
تا مژہ برہم زنیم، از ماہ پروین در گزشت

جلوۂ او تا ابد باقی بہ چشمِ آسیاست
گرچہ آں نورِ نگاہِ خاوراں از خاور گزشت

محمد علی!

ہندوستان کا مردِ مجاہد دنیا سے رُخصت ہو چکا. لیکن اقبال کے الفاظ میں ایشیا اس کے جلوہ سے ہمیشہ معمور رہے گا۔

میں نے محمد علی کی یہ تقریریں، جو تحریکِ خلافت و کانگریس کے ہنگامہ خیز دَور کی یادگار ہیں۔ بڑی مشکل سے جمع کیں، اور اب ایک عرصہ دراز کی محنتِ شاقہ کے بعد ایڈٹ کر کے شائع کر رہا ہوں. ملتِ اسلامیہ کے مجاہدات کی یہ تاریخ امید ہے قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

رئیس احمد جعفری

جون ۵۰ء

نعرۂ حق

کم وبیش پانچ سال کی نظر بندی کے بعد علی برادران جیل سے رہا ہوئے اس وقت امرتسر میں کانگریس کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مظالم پنجاب کا زخم ہرا تھا، مقاماتِ مقدسہ کی تباہی وبربادی کا داغ تازہ تھا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے "انتداب" نے عالمِ اسلام پر قبضہ کر رکھا تھا۔ پچھلی جنگِ عظیم ختم ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ترکی کی عظیم الشان سلطنت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ قسطنطنیہ ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ تھریس اور سمرنا پر یونانیوں کا قبضہ تھا۔ شام پر فرانس نے قبضہ کر لیا تھا عراق انگریزوں کے ہاتھ آیا تھا۔ فلسطین اور بیت المقدس پر صلیبی پرچم لہرا رہا تھا، مصر بھی انگریزوں ہی کی سیادت میں تھا۔ مراقش اور الجزائر پر بھی فرنگی استیلا قائم ہو چکا تھا۔ بڑا اضطراب انگیز زمانہ تھا۔

امرتسر میں صرف کانگریس کا جلسہ نہیں تھا، مسلم لیگ اور خلافت کانفرنس کے اجتماعات بھی وہیں ہو رہے تھے۔

علی برادران جیل سے چھوٹ کر سیدھے امرتسر پہنچے۔ یہاں محمد علی نے ہر اجتماع میں حق کا نعرہ بلند کیا۔ ذیل کی تقریر انھوں نے مسلم لیگ کے جلسہ میں کی تھی۔ رہائی کے بعد یہ ان کی پہلی تقریر ہے
مُرتّب

---

۳۰ دسمبر ۱۹۱۹ء اجلاس مُسلم لیگ امرتسر

صَاحبَانْ!

ہماری نظربندی کو آج پونے پانچ سال گزر چکے ہیں۔ جب ہم نظربند ہوئے ہیں اس وقت ایک ہی مسئلہ (خلافت و آزادی) ہمارے پیش نظر تھا۔ خدا شاہد ہے کہ اس پونے پانچ سال کی مدت میں ہر دن، ہر لمحہ اور ہر گھنٹہ وہ مسئلہ ہمارے دل و دماغ پر چھایا رہا۔ جب جیل سے ہمیں پروانۂ رہائی ملا اس وقت بھی یہ مسئلہ ہمارے پیش نظر تھا۔ آزادی سے صرف ہم محروم نہ تھے، بلکہ ہر مسلمان کی آزادئ تقریر۔ آزادئ تحریر اور آزادئ اقدام پر پابندیاں عائد تھیں۔ ہم نے اپنے جذبات کا سودا کسی کافر، کسی غیر اللہ سے نہیں کیا۔ بحمداللہ آج ہم آزاد ہیں۔ اسی طرح جیسے مکہ فتح ہوا تھا اور رسول اللہؐ نے فرمایا تھا جاء الحق وذھق الباطل ۔ إن الباطل کان ذھوقاہ (حق آگیا اور باطل بھاگ گیا، بے شک باطل فرار ہونے ہی کے لئے ہے)

ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں پھر موقعۂ خدمت مرحمت فرمایا۔ جو خدمت ہم قید خانہ میں کر رہے تھے۔ اب اسے باہر رہ کر انجام دیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ واقعہ تو آپ کو یاد ہوگا، جو قرآن میں مذکور ہے جب وہ مصر کے قید خانہ میں تھے اور بعض لوگوں نے ان سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ تو آپ نے ان سے فرمایا تھا «اے میرے قید خانہ کے رفیقو! میں تم سے پوچھتا ہوں کہ یہ ارباب حکومت اچھے ہیں، یا واحدُ القہار؟»۔ اسی طرح میں تم سے پوچھتا ہوں کہ «اے بھائیو! کیا تم جلیان والا باغ میں موت سے ڈرتے ہو؟ یا اس گلی کی ذلت سے تمہیں خوف ہے جہاں تمہیں رینگ کر چلنے کا حکم دیا جاتا تھا، تم گجرانوالہ کی بمباری سے خائف ہو یا ڈائر کے فائر نے تمہیں دہشت زدہ کر رکھا ہے؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ خدائی قہر ان سب سے بڑھا ہوا ہے؟ اس نے انفلوئنزا نازل کرکے حقیر و ناتوان کیڑوں مکوڑوں کے اثر سے ایک کروڑ جانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ خدا کا قہر سب سے بڑا ہے؟ (اللہ اکبر کے نعرے) ہمیں صرف خدا سے ڈرنا چاہئے، اسی کی بادشاہت سب سے بڑی بادشاہت ہے۔ میں اپنی ضعیف ماں، اپنے بھائی، اپنے بچوں، اور اپنی زندگی کو اللہ اور اس کے دین کے راستہ میں قربان کرنے کو تیار ہوں۔ میری رہائی کا اگر کوئی مطلب ہو سکتا ہے تو صرف یہی کہ میں اپنے خدا سے اور زیادہ قریب ہو جاؤں»۔ (اللہ اکبر کے نعرے) ہمیں اس وقت ان علماءِ کرام کا شکوہ نہیں کرنا ہے، جنھوں نے مسلمانوں کو عبادت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھایا، اور اپنے علم کو ابتدائی منازل تک محدود رکھا۔

ماہ رمضان کے تیس روزے رکھ لینے یا بقرعید کے موقع پر قربانی کر دینے سے ہماری ذمہ داریاں ختم نہیں ہو جاتیں۔ عبادت کا اصل مفہوم عبدیت کا سبق حاصل کرنا ہے۔ اس سے یہ فائدہ مرتب ہونا چاہئے کہ یہ حقیقت ہمارے ذہن نشین ہو جائے کہ ہم خدا کے غلام ہیں اور اُس کے سوا ہم کسی کی غلامی (بہ رضا و رغبت) نہیں اختیار کر سکتے۔

یہ وائسرائے صاحب ہمیشہ سے وائسرائے صاحب نہ تھے، ہم نے تسلیم کیا تو وہ وائسرائے ہوئے۔ فرعون جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تو وہ خدا نہ تھا۔ لوگوں نے اسے تسلیم کیا تو وہ خدا بن گیا اور اس کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال کر وہ بے حس اور خود فراموش ہو گئے۔

یاد رکھئے، کسی کی حکومت بھی دائمی نہیں ہے۔ دائمی حکومت ہے تو صرف خدائے بزرگ و برتر کی۔ کوئی راستہ بھی اتنا سیدھا نہیں، جتنا دین کا، اگر تم یہ چاہتے ہو، کہ کوئی تم پر حکومت نہ کر سکے، تو پہلے خدا کی وفادار رعایا ہو! تمھارا بادشاہ بھی تمھاری طرح خدا کی رعایا کا ایک فرد ہے۔ تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ ہم تم ایک خدا کے بندے ہیں۔ مراتب بے شک جُدا جُدا ہیں، مگر عبدیتِ الٰہی کا جہاں تک تعلق ہے۔ ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ خدا کے برگزیدہ نبی ؐ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ " اخرجوا الیہود والنصاریٰ مِنْ جَزِیْرَۃُ الْعَرَبْ " (یہود اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کرو) اس حکم کی تعمیل ہم پر فرض ہے، وہ بیت المقدس جسے مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر فتح کیا تھا اور جس پر اب تک خلیفۃ المسلمین (سلطان ٹرکی) کا اقتدار تھا۔ ہم اس پر اغیار کا قبضہ ہرگز رہنے نہیں دیں گے۔

اس وقت بیت المقدس کے متعلق جنرل ایلنبائی کا جو بیان شائع ہوا ہے اس میں مذکور ہے کہ وہ تمام فوج خود مسلمانوں کی تھی، جس نے مسلمانوں کو ہی اس مقام سے پیچھے دھکیلا۔ وہ بھی ایک وقت تھا جب خلیفۂ دوم حضرت عمر رضؓ اس ملک میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تھے اور وہاں کے غیر مسلموں نے فاتح کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ " وہ ہر وصف متصف ہیں اور فتحمندی کے سزاوار ہیں "۔ انھوں نے شہر کی کنجیاں حضرت عمر رضؓ کے حوالے

کردی تھیں۔ یا اب یہ وقت آگیا ہے کہ ہم نے اپنے بھائیوں کے خون سے ان کنجیوں کو تر کر کے عیسائیوں کو (جن سے ہم نے یہ شہر چھینا تھا) واپس کر دیا ہے۔ ہم نے اپنے مسلمان بھائیوں کا خون اپنے ہاتھ سے بہایا، ہم وہ بہادر ہیں کہ جب مسلمانوں کے سینوں میں ہماری گولیاں پیوست ہوتی تھیں، جب اکن مقدسہ کے محافظوں پر ہم تیر و تلوار سے وار کرتے تھے، اور جب ہمارے وار سے وہ مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپتے تھے تو ہماری آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہ گرتا تھا۔ جب یہ حالات اور واقعات ہم پڑھتے تھے تو بے ساختہ یہ شعر مجھے یاد آجاتا تھا۔

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم!
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو؟

ہم قفس میں (جیل میں) سنتے تھے کہ ہمارے آشیانہ پر قہر خداوندی کی بجلیاں گر رہی ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ مسلمانوں نے اللہ کے گھر کی حرمت اور عزت کے خیال کو فراموش کر دیا تھا۔

ہم اخبارات میں دیکھتے تھے اور دم بخود رہ جاتے تھے۔ ہم کبوتران حرم تھے ہماری آرزو یہ تھی کہ، ہمارا آشیانہ وہاں ہو جو بیت عتیق ہے۔

اے عزیزو!

رسول اللہ ؐ کی پیدائش کے سال جب نصاریٰ نے بیت اللہ پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت ابرہہ نے عبدالمطلبؓ کو بلایا اور ان سے گفتگو کی۔ گفتگو نہایت متانت سے ہوئی ابرہہ نے کہا "ہم تم سے مل کر خوش ہوئے، جو مانگو ہم دیں گے" عبدالمطلبؓ نے کہا "آپ کے آدمی ہمارے آبائی گلہ کی دو سو بھیڑیں لے گئے ہیں وہ واپس کرا دیجئے" ابرہہ نے

کہا کہ میں نے تم کو معقول آدمی سمجھ کر اور تمہاری شریفانہ گفتگو سے متاثر ہو کر کہا تھا کہ، کچھ حقوق طلب کرو ہم عطا کرنے کو تیار ہیں، لیکن تم نے انگا تو کیا مانگا اور کہا تو کیا کہا؟ آپ کو معلوم ہے اس وقت آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا جواب دیا؟ انھوں نے کہا "بھیڑیں میری ہیں اور کعبہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، گھر والا اپنے گھر کی حفاظت خود کرے گا۔ اور وہ ایسا قوی ہے کہ جب اسے لینے کا ارادہ کرے گا تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اُس کے ارادے میں مزاحم نہ ہو سکے گی" یہ واقعہ رسول ؐ سے پہلے کا ہے، لیکن اب ہم پر (خود خدا کی طرف سے) پابندیاں اور ذمہ داریاں عائد ہیں۔ اب ہم عبدالمطلب کی طرح نہیں کہہ سکتے، کہ "گھر والا خود اپنے گھر کی حفاظت کرے گا" اب اِس گھر خانہ کعبہ کی حفاظت اور حمایت کے لئے ہمیں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔

توحید کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو ایک مانا جائے۔ اس کی غلامی کی جائے اس کے گھر کی حفاظت کی جائے، شعائرِ اسلام کی نگہداشت کی جائے۔ یہ ہر مسلمان کا فرض ہے اِس فرض کی بجا آوری کے سلسلہ میں میں اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں، کہ میری نظر میں اپنی ماں اور بیوی کی حرمت سے اس کی عزت زیادہ ہے میں جان اور متاع اس پر نثار کرنے کو تیار ہوں۔

بھائیو!

اللہ کے گھر کی حرمت و عزت تمہارے ہاتھ ہے۔ اس کی حرمت ہماری ماؤں، بیویوں اور بہنوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اللہ کے گھر کی حفاظت کے جرم میں اگر ہمیں قید کر لیا گیا تو کوئی حرج نہیں؛

ایک زانی کا واقعہ زبان زد عام ہے، جسے زنا کرنے کی پاداش میں سنگسار کیا گیا تھا۔ مگر پھر بھی آں حضرتؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا کہ اس کی یہ بدکاری کی سزا اسے دنیا میں مل گئی (اور یہ پاک ہو گیا) اسی طرح اگر ہمارے اعمال کی سزا ہمیں دنیا میں مل جائے تو بہت اچھا ہے۔ میں نے بحالتِ قید ایک شعر موزوں کیا تھا۔

مستحقِ دار کو حکمِ نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

حضرات!

کمّی کے مارنے کے لئے بھی سامان کی ضرورت ہوا کرتی ہے، مگر مرنے کے لئے کسی سامان کی احتیاج نہیں ہوتی۔ اگر ہم کعبہ کی حرمت ضروری سمجھتے ہیں تو ہمیں موت سے باک نہ ہونا چاہیئے۔ اور مصلحتوں کا لحاظ نہ کرنا چاہیئے۔

کیا دھرا ہے عقل میں جز حیرت و سرگشتگی
پھر سے ہوں پابند اس کا میں وہ دیوانہ نہیں

میں اس وقت جیل سے نکل کر آیا ہوں، اگر مصلحتوں کا پابند رہوں، تو میرا جیل خانہ سے باہر آنا فضول ہوگا۔

صاحبان!

میں نے کانگریس میں بھی یہی کہا تھا، اور یہاں بھی یہی کہتا ہوں کہ مصلحتوں کو چھوڑیئے۔ اور خدا سے لو لگایئے!

شیر کی گرج

"تزلزل در ایوانِ کسریٰ فتاد"

"امرتسر میں جلیان والا باغ کے خونین حادثہ کے بعد جب جنرل ڈائر نے ہندو مسلمان اور سکھ مجمع پر جو پُرامن بھی تھا اور پرسکون بھی اندھا دھند گولیاں چلائیں تو سارا ہندوستان چیخ اٹھا۔ پھر پنجاب کے متعدد شہروں میں مارشل لا نافذ ہوا اور ہندوستانیوں کی طرح طرح سے تذلیل کی گئی۔ جن گلیوں میں جوشیلے ہندوستانیوں نے کسی انگریز کو پریشان کیا تھا،، یا کسی فرنگی خاتون کی توہین کی تھی۔ :ان ہندوستانیوں کو پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کیا گیا۔ سارا پنجاب مظالمِ گوناگوں کا شکار تھا۔ ہر طرف قہرمانیت برس رہی تھی۔ کسی شخص کی عزت اور آبرو محفوظ نہیں تھی۔

پنجاب کے گنج شہیداں امرتسر میں کچھ عرصہ ہوا۔ کانگرس کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ عین اس اجلاس کے موقع پر علی برادران کی رہائی عمل میں آئی۔ دونوں سیدھے امرتسر پہونچے۔

مولانا محمد علی کی یہ تقریر کانگرس کے پنڈال میں ہوئی تھی اور اس کے تیور کہہ رہے ہیں، کہ یہ تقریر نہیں تھی، شیر کی گرج تھی جس نے

سامراج کے قصرِ فلک رفعت میں تزلزل پیدا کر دیا۔

مُرتّب

۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء اجلاس کانگریس

بھائیو اور بہنو!

آج میں اپنی آنکھوں سے وہ نظارہ دیکھ رہا ہوں۔ جس کا مشاہدہ اپنی عمر میں میں نے کبھی نہیں کیا تھا۔ میں کانگریس کے اس اجلاس کو ایک زبردست اسمبلی نہیں کہوں گا میری نگاہ میں تو یہ ایک ماس میٹنگ (عظیم الشان عوامی اجتماع) معلوم ہوتی ہے۔

مگر اس نظارہ کے لئے ہم کسی شخص کے احسان مند ہیں؟ کس کی بدولت اتنا بڑا اور عظیم الشان مجمع ہمارے سامنے ہے؟ کیا یہ اس زبردست جنگجو اور بڑے سورما کا طفیل نہیں ہے۔ جس نے جلیان والا باغ میں جذبۂ رحم سے متاثر ہو کر نہیں صرف اس لئے نہتے اور امن پسند ہندو مسلم مجمع پر گولیاں چلانا بند کر دی تھیں کہ اس کے پاس گولی بارود کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا؟ (شرم شرم کے نعرے) جب وہ رام باغ سے چلا تو راستہ ہی میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ گولی چلائے گا اور خوب چلائے گا جلیان والا باغ میں لوگ جمع تھے، اس نے ان پر گولیاں نہ چلائیں، بلکہ اس نے ہمارے دلوں پر گولیاں چلائیں۔ اس نے ایک نئی آگ بھڑکا دی ہے جس میں سے ہندو مسلمان کی ایک نئی قوم پیدا ہو رہی ہے۔ اس نے اپنے اعمال و افعال سے ایک نئی قوم کو جنم دیا ہے۔ یہ سب کچھ میں غصہ سے بے قابو ہو کر نہیں کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ وہ زمانہ گزر گیا۔ جب ہمیں غصہ آسکتا تھا۔ اب کہ ہم ایک نئی قوم کی قسمت بنا رہے ہیں۔

ہمارا غیظ و غضب سے بے قابو ہو جانا ناممکن ہے اب تو وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اطمینان سے سوچیں اور مضبوطی سے کام کریں۔

آپ اس وقت اور اس جگہ تجویزیں منظور کر رہے ہیں۔ لیکن اگر الفاظ نے اپنے معنی چھوڑ نہیں دیئے ہیں، تو یہ تجویزیں اس وقت تک بیکار ہیں۔ جب تک کسی کام کے کرنے کا عزم مصمم نہ کرلیں۔ اگر آپ کاغذ پر کچھ لکھ دیں تو اس کے کوئی معنی نہیں ہیں کیونکہ ہم گورنمنٹ نہیں ہیں کہ جس قیمت کے چاہیں نوٹ جاری کردیں۔ اگر آپ حقیقتاً کوئی تجویز منظور کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ میں کا ہر مرد، ہر عورت اور ہر بچّہ جو بھی اس تجویز کی حمایت و تائید میں رائے دیتا ہے اپنے دل میں یہ ٹھان لے کہ ہمارا یہ مصمم ارادہ ہے اور ہم تا حصول مقصد قطعاً آرام سے نہ بیٹھیں گے اور جو باتیں یہاں سنی ہیں انھیں بھول نہ جائیں گے۔

جو تجویز اس وقت آپ کے سامنے ہے، اگر اُسے محدود کرکے دیکھا جائے تو اس کے معنی صرف یہ نکلیں گے کہ آپ صرف دو آدمیوں کو خطا کار ٹھہراتے ہیں لیکن دنیا میں جس قدر ظالم گزرے ہیں ان میں سے صرف دو ظالموں کو ملامت کرنا بے کار ہے، تا وقتیکہ آپ اپنے دل میں یہ بات ٹھان نہ لیں کہ آج کے بعد سے آپ پھر ہرگز ظلم برداشت نہ کریں گے۔ میں بہادری کا دعوے نہیں کرتا (آوازیں بلند ہوئیں کہ آپ بہادر ہیں) میں ایک معمولی آدمی ہوں اور مجھ میں بہت سی ایسی کمزوریاں ہیں جو آپ میں بہتوں میں نہ ہوں گی۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے نظربندی کی سختیوں کو محسوس کیا ہے اور اس سے بڑھ کر جیل خانہ کی سختیاں برداشت کی ہیں۔ اب جب کہ میں اور میرے بھائی اور اس قدر ہندو اور مسلمان رہا کرائے گئے ہیں میں

آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنے عزم اور ارادہ میں کمزوری نہ پیدا ہونے دیں۔

میرے دل میں مسٹر گوکھلے کا بڑا احترام ہے خدا ان کی روح کو سکون عطا فرمائے۔ مجھے چند ان کے دوستوں نے بتایا ہے کہ وہ اپنی تمام عمر اپنے ایک فعل پر اظہارِ ندامت کرتے رہے۔ یقیناً ان کا وہ فعل بے رحمانہ تھا، جبکہ انھوں نے پریس ایکٹ کا پاس ہونا صرف اِس وجہ سے منظور کر لیا کہ ہندوستانی محبِّ وطن جیل خانوں سے آزادی پا جائیں۔

میں ایک جرنلسٹ (صحافی) رہ چکا ہوں۔ میرے سامنے پریس ایکٹ کی سختیاں بھی رہ چکی ہیں، اور ان محبِّ وطن ہندوستانیوں کی رہائی بھی میرے دل کی آنکھ کے سامنے تھی۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ پریس ایکٹ کا پاس ہونا اس سے بہتر ہے کہ یہ محبِّ وطن جیل میں سڑتے رہیں۔ لیکن اب جب کہ میں خود جیل جا چکا ہوں، مجھے یہ کہنے کا حق ہے کہ مجھ کو اور میرے بھائی کو جیل خانہ واپس جانے دو! میرے بھائی ہرکشن لال، ڈوبی چند اور رام بھجدت کو نذرِ زنداں ہونے دو۔ اگر ضرورت ہو، ہم سب لوگوں کو پھانسی پر چڑھنے دو۔ کیونکہ بالآخر ہم سب کو ایک دن مرنا ہے۔ ہم کو مر جانے دیجئے۔ ہمارے خاندان اور ہمارے اہل و عیال کی بھی پرواہ نہ کیجئے، لیکن تراحمِ خسروانہ کی بھیک نہ مانگیے دیرگیر انصاف کی تمنا نہ کیجئے۔ آپ اس بات کو نہ بھولئے کہ آج جب کہ آپ آئندہ کے لئے نظامِ عملی موزوں کر رہے ہیں، اسے یاد رکھئے کہ آپ کے ہاتھوں میں نہ صرف کروڑہا موجودہ مخلوق کی، بلکہ آنے والی نسلوں کے کروڑوں سپوتوں کی بھی تقدیر ہے۔

اگر حالات کا تقاضا ہو، تو ہمیں پھر جیل جانے دیجئے۔ یہ اِس سے بہتر ہے کہ آپ ہندوستان کے گلے میں طوقِ غلامی ڈالیں۔ اور اس کی غلامی کو برداشت کرلیں معمولی سے معمولی ہندوستانی کی آزادی کو کوئی ڈائر یا اوڈائر یا کوئی ہیٹنگو اور چیمسفورڈ یا

ان سے بڑھ کر کوئی بڑی پوزیشن اور درجہ والا ہو چھین سکے۔

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، حکام کی رعائت کے خیال سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ میں تو ان معاملات میں فطرتاً قدامت پسند ہوں۔ میں تھیوکریسی (مذہبی حکومت) پر اعتقاد رکھتا ہوں، میرا بادشاہ کون ہے؟ سب سے پہلے میرا بادشاہ خدا ہے۔ اور خدا نے مجھے ویسا ہی آزاد پیدا کیا ہے، جیسا کہ جارج پنجم کو۔

اگر ملک معظم کے عمال میں سے کوئی بھی اپنے قبضہ میں ہندوستان کے آزاد مرد اور آزاد عورت کے حقوق رکھ سکتا ہے، تو جبر و زیادتی سے، جیسا کہ پنجاب میں ہوا اور پولیس نے عورتوں تک کو گھسیٹ گھسیٹ کر گھروں سے باہر نکالا۔ ان حکام کے حکم سے جنھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ کب حکم دیا جاتا ہے؟ کنھیں حکم دیا جاتا ہے؟ اور کیسے حکم دیا جاتا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ آپ اس بات کی اجازت نہ دیں کہ ہندوستانی حقوق کو بازیچۂ اطفال بنالیا جائے۔ ایسے حکام دعمال کے مقابلہ میں جو مضحکہ خیز طریقہ پر خدمت کرتے ہوں، کوئی پروا نہیں کہ ہمارا حشر کیا ہوگا؟ ہمارے اہل وعیال پر کیا گزرے گی ہمارے دوستوں کا حال کیا ہوگا؟ ہمارے ملک کا انجام کیا ہوگا؟

آپ سے میری ذاتی اپیل یہ ہے کہ آپ اسے اچھی طرح محسوس کریں۔ کہ ہم یہاں اس لئے جمع نہیں ہوئے ہیں، کہ دو زانو جھک کر یہ درخواست کریں کہ وہ ہم کو جیل خانوں سے آزاد کرادو۔ ہم کو پھانسی کے تختہ سے بچالو۔ میں اپنے لئے اپیل نہیں کرتا، مجھے چند آدمیوں کی رہائی کی فکر نہیں ہے، ہم چند آدمیوں کو آزاد کرا کے سارے ملک کو غلام بنانا نہیں چاہتے۔ میں اس ملک کے نام پر بول رہا ہوں، جس کی آزادی ہم کو بہت زیادہ عزیز ہے بہ نسبت کسی شخص واحد کی آزادی کے، خواہ اس کی پوزیشن اور حیثیت کتنی ہی اعلیٰ اور

ﮍی کیوں نہ ہو؟

میں ضرور جیل بھیج دیا جاؤں، مسٹر تلک اگر ضرورت ہو تو تیسری مرتبہ جیل خانے روانہ کر دیئے جائیں، مسز بیسنٹ دوبارہ نظر بند کر دی جائیں۔ بلکہ اس بڑھاپے میں اگر ضرورت ہو تو ان ہی کے بالوں سے جکڑ کر ان کو پھانسی بھی دیدی جائے، لیکن ہندوستان کو آزاد ہونے دیجئے۔ تاکہ کوئی شخص آئندہ کسی ہندوستانی مرد اور عورت کے بارے میں یہ نہ کہہ سکے کہ تو پیدائشی غلام ہے!

(پُرزور تالیاں)

نغمۂ بلبل

"اِس قید سے چُھٹنے کی خُوشی کِس کو نہ ہُو گی؟"

پانچ سال کی طویل نظر بندی اور سزائے قید بھگتنے کے بعد ملک و ملّت کے یہ دو نوں کوہ وقار رہنما رہا ہوتے ہیں۔

محمد علی کی سرگرمیوں کا مرکز دہلی تھا، شوکت علی کے عقیدتمندوں کا قلعہ بھی یہی شہر تھا۔ ابتلا اور مصیبت، تباہی اور بربادی، مجبوری اور مظلومی کی زنجیریں توڑ کر اب یہ رہا ہوئے تھے۔ بلبل ہزار داستان، قیدِ قفس کی زندگی گزار کر اب پھر چمن میں نغمہ سرائی کر رہا تھا۔ اس کے بغیر چمن ویراں تھا، سُنسان تھا۔ ایک اُداسی سی ایک مُردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ وہ آیا تو نئی رُت، نیا سماں، پیدا ہوگیا۔

دہلی شاہانِ مغلیہ کی راجدھانی رہ چکا ہے۔ استعمارِ فرنگ کا مرکز تھا۔ اور ہے۔ اس شہر نے شاہوں اور شہنشاہوں کے بڑے بڑے تاریخی جلوس دیکھے ہیں۔ اس کی چشمِ تماشا امیروں اور دولت مندوں، سرداروں اور سپاہیوں، نوابوں

اور گردان فرنگ " کے ناقابلِ فراموش جلوسوں کے نظارے کر چکی ہے۔ لیکن علی برادران کے قید قفس سے رہا ہونے کے بعد، ان کا جو عظیم الشان استقبال کیا گیا۔ ان کا جو فقید المثال جلوس نکلا۔ ان کے اشتیاقِ دید میں جس طرح خلقت ٹوٹ پڑی، یہ سماں دِلّی کے در و دیوار نے، دِلّی کے زمین و آسمان نے کم دیکھا ہوگا۔

اِس جلوس کے متعلق بڑے بڑے سِن رسیدہ لوگوں کا بیان تھا کہ ایسا جلوس ان کی نظر سے بھی کبھی نہیں گذرا۔ گھنٹہ گھر پر آزادی کا جہاز بنایا گیا تھا، جس پر ناخدا کی طرح یہ دونوں بھائی بٹھائے گئے تھے۔ یہیں اہالیانِ شہر کی طرف سے خیر مقدمی سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

ذیل کی تقریر اسی وقت محمد علی نے ارشاد کی تھی:۔

(مُرَتِّب)

۵ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء دہلی

حضرات!

میں اس شہر میں ایک غریب الوطن کی حیثیت سے آیا تھا۔ مجھے وہ وقت یاد ہے کہ دو سال سات مہینے تک تھوڑی بہت خدمت انجام دینے کے بعد ۳۰ رمئی ۱۹۱۵ء کو آپ بزرگوں سے (بسلسلۂ نظربندی) رخصت ہوا اور ۲۳ رجون ۱۹۱۵ء کو اس صوبے سے باہر بھیج دیا گیا۔ پھر وہاں بھی نہ ٹک سکا اور ایک دوسرے مقام کو منتقل کر دیا گیا۔ لوگ کہتے تھے کہ دہلی مردہ شہر ہے۔ وہاں کی آبادی زندہ درگور ہے۔ میں کہا کرتا

تھا کہ "جسے خدا نے پیدا کیا ہے اُسے کوئی مردہ نہیں کر سکتا۔ اور جو مر گیا وہ بھی زندہ ہے۔"

میں جب یہاں آیا تھا تو آپ لوگوں سے واقف نہ تھا۔ مگر میرا عقیدہ تھا کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس میں تازگی اور بیداری کی نئی روح نہ پیدا ہو سکے۔ میں یہاں دو برس، ۲ ماہ رہا۔ اِس قلیل مدت میں میں نے کوئی خاص خدمت آپ حضرات کی انجام نہیں دی۔ مگر اس کے باوجود اہلِ دہلی نے مجھے اِس طرح نوازا۔ ایسی آؤ بھگت، اور ایسی خاطر تواضع کی جس سے ثابت ہو گیا، کہ یہاں کے لوگ مُردہ نہیں ہیں۔ بلکہ جو اُن کو مردہ کہتے تھے وہ مُردہ ہیں۔ دہلی میں ایسے بزرگوں کی ہڈیاں مدفون ہیں جن کی نسبت "بَل اَحْیَاء" صادق آتا ہے۔ یعنی وہ مردہ نہیں ہیں، بلکہ زندہ ہیں۔ وہ دہلی کے لئے زندگی کا بیج ہو گئے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

آج جس دولت کا بازارِ جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اس دولت سے مالامال ہے

۲۰ مئی ۱۹۱۵ء کو میں آپ سے رخصت ہوا تھا۔ اِس حالت میں کہ میری زبان بند تھی لیکن اب میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اِس قید کو ہمارے لئے موجبِ تعلیم کر دیا۔ جو اسرار و رموز ہم پر آشکارا ہوئے انھیں کیا بتائیں۔

آں راز کہ از سینہ نہاں است نہاں است

مگر ابھی وہ تعلیم مکمل نہیں ہوئی ہے۔ خدا کا وہ بھید زبان بیان نہیں کر سکتی۔ وہ تو پھانسی کے تختے ہی پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ خدا سے ہماری دعا ہے کہ اگر تو ہمیں زندہ رکھے تو ایمان کے ساتھ، موت دے تو ایمان کے ساتھ۔ ہمارے گوشت کو چاہے

کوٹے نوچیں، گدھ کی ئیں۔ مگر ہمارا ایمان ہمارے ساتھ رہے۔ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے، جس پر ناز یا فخر کرسکوں۔ ہمارے رسولِ اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "ایمان یہ ہے کہ ہاتھ سے عمل کرو، زبان سے کوشش کرو، اور اگر یہ نہیں کرسکتے تو کم از کم دل سے اقرار کرو! کہ یہ اقل ترین ایمان کا درجہ ہے" میں آپ سے رخصت کے وقت کلمۂ صداقت زبان پر نہ لاسکا تھا۔ کیونکہ اس وقت میری زبان بند تھی، اب زبان سے اسلام کی خدمت کرسکتا ہوں کیونکہ وہ کھل سکتی ہے۔

جیل میں میرے ایک جواب کو وہاں کے ایک افسر نے "تلخ" قرار دیا تھا۔ میں نے کہا کہ اس تلخ تجربے کے بعد جو مجھے ہوچکا ہے ہمیں اگر زبان سے تلخی اور درشتی برتوں، تو کیا مجھے اس کا حق نہیں ہے؟ اُس نے تسلیم کیا کہ تم تلخ کلامی میں حق بجانب ہو۔ ہم نظر بند تھے لیکن ہمیں یہ معلوم نہ تھا کب رہا ہوں گے؟ مگر ہم سمجھتے تھے، کہ چھوٹیں گے اور ہمارا عقیدہ تھا کہ ہم چھوٹیں گے اور قرآن وحدیث اور ایمان کو ساتھ لے کر چھوٹیں گے۔ مجھے اگر ذاتی پرخاش کسی کے ساتھ ہو تو میں اسے حرام سمجھتا ہوں ہم اسے بھلائے دیتے ہیں کہ ہمیں نظر بند کیا گیا، ہم اسے فراموش کئے دیتے ہیں کہ، ہمیں قید کیا گیا۔ ہمارا بغض ومحبت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ ہم دونوں بھائی تیار ہیں کہ حکومت کے ادنےٰ سے ادنےٰ ملازم کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیں، اس میں ہماری کچھ بھی ذلت نہیں ہے، مگر ہم اس کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ اسلام کی عزت پر حرف آتا دیکھیں، ہم اپنی حرم سراؤں کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں، مگر حرم الٰہی کو غیر کے قبضہ میں دیکھنے کو تیار نہیں ہیں۔ حرم الٰہی پر ہماری اولاد، ہماری جان، ہمارا مال سب کچھ قربان ہے، کیونکہ

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی!
حق تو یہ ہے کہ حق اَدا نہ ہوا!

ہم تیار ہیں کہ ہم اپنی خواتین کو بے عزت ہوتا ہوا دیکھیں۔ لیکن شعار اسلام کی بے حرمتی ہم ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کر سکتے۔

یہ خیر مقدم محمد علی شوکت علی کا نہیں ہے، علی برادران کا خیر مقدم کچھ نہیں، خدا کا خیر مقدم کرو! جو اپنے احکام اپنے بندوں کے ذریعے سنوا رہا ہے۔ یہ ہار پھول سب بے کار ہیں۔ کیونکہ خدا دل کو دیکھتا ہے۔ اگر حکومت یا کسی دوسری قوم کی ضد سے یا دکھاوے کو ایسا کیا جاتا ہے تو وہ قبول نہیں ہے۔ ہم اس کے دوست ہیں جو خدا کا دوست ہے، ہم اس کے دشمن ہیں جو خدا کا دشمن ہے، ہم تو اللہ کے ہو لئے

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

قلم اور تلوار

جمعیتِ خوشنویسانِ ہند کے سپاسنامہ کا جواب

جیل سے رہائی کے بعد، علی برادران کا جو عظیم الشان استقبال دہلی میں ہوا تھا اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

بعد میں مختلف جمعیتوں اور اداروں کی طرف سے بھی محمد علی اور شوکت علی کو سپاسنامے دیئے گئے۔ اِس سلسلہ میں جمعیۃ خوشنویسانِ ہند کا سپاسنامہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

کوئی مجمع ہو، کسی مذاق کے لوگ ہوں، کیسا ہی ماحول ہو۔ محمد علی کی زبان خاموش نہیں رہتی تھی۔ اِس اجتماع میں محمد علی نے جو تقریر کی، اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد علی کی روانیِ طبع کہیں رکتی نہیں تھی۔ جدّت اور تنوع وہ ہر موضوع میں پیدا کر سکتے تھے اور کرتے تھے۔ معنیٰ آفرینی اور نُدرت اُن کا خاصہ تھا، اور یہ رنگ ہر تقریر اور تحریر میں جھلکتا تھا،

(مُرتّب)

۹ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء ۔ دھلی

حضرات !

میں نہایت فخر اور مسرت کے ساتھ اِس امر کا اظہار کرتا ہوں کہ یہ سپاسنامہ جو جمعیۃ عالیہ خوشنویسانِ ہند دہلی کی جانب سے مجھے دیا گیا ہے، اپنی عظمت و شان اور جمعیۃ کے لحاظ سے بالکل نرالا اور قابلِ فخر ہے۔ نرالا اِس لحاظ سے کہ سپاسنامہ ایک خاص جمعیۃ نے پیش کیا ہے۔ جس کی نظیر آج سے پیشتر نہیں مل سکتی۔ آپ کا پیشہ وہ پیشہ ہے جس کی عزت اور وقعت اس خیال سے بہت کچھ بلند ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید میں بھی اس کا درجہ رفیع پایا جاتا ہے۔ آپ لوگ جس قلم سے کام کرتے ہیں۔ خدائے پاک جابجا اُس کی قسم کھاتا ہے "نٓ وَالقلم"۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے "الّذی علّم بالقلم"۔

یاد رکھئے خدا کی وحدانیت پھیلانے کے صرف دو ہی ذریعہ ہیں۔ یا قلم یا تلوار۔ تلوار ہم سے چھین لی گئی۔ مگر الحمد للہ کہ قلم پر آپ لوگ قابض ہیں۔ آج کل قلم پر قبضہ تلوار کے قبضہ سے زیادہ پر اثر اور نہایت اہم ہے۔ جو لوگ تلوار کے مالک ہیں وہ بھی اہلِ قلم کی طاقت اور اقتدار کا لوہا مانتے ہیں، آپ کے قلم کا لوہا تلوار کے لوہے سے زیادہ سخت اور آپ کے قلم کی روانی تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے اور آپ کے قلم کا زخم تلوار کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

پس اپنا قدم آگے بڑھائیے، قلم پر قبضہ رکھئے اور خدا کی وحدانیت صفحۂ دہر پر لکھ ڈالئے۔ خدا کی رحمت اور تائید آپ کے ساتھ ہو۔ آمین۔

یاد رکھئے! کہ آپ کا فن نہایت شریف اور حلال روزی کا بہترین طریقہ ہے اِس فن نے ایران سے ترقی کی، اور آج اس کا فیض وسیع اور عالمگیر ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ آپ نے ہندوستان میں رہنے اور خود ہندوستانی ہونے کے باوجود اپنے فن کے اصلی وطن کو فراموش نہیں کیا اور اپنی جمعیۃ عالیہ کے نشان میں سب سے بہتر اور اعلیٰ جگہ ایرانی تاج کو دی ہے۔ جس کے سایے میں فنِ خوشنویسی نے نشوونما پاکر تمام دنیا کو اپنا گرویدہ اور ممنونِ منت بنا رکھا ہے۔

آپ لوگوں نے جمعیۃ قائم فرما کر وہ کام کیا ہے، جس کو دنیا کبھی نہیں بھول سکتی، یاد رکھئے کہ اس زمانے میں بغیر انجمن سازی کے کوئی کام چل ہی نہیں سکتا۔ آپ اپنے کام میں مستقل رہئے! آپ ضرور کامیاب ہوں گے، ضرور کامیاب ہوں گے۔

حکومت نے ایک مرتبہ ہمیں پیغام دیا تھا کہ "اگر تم دونوں بھائی مشروط آزادی چاہو تو حکومت رہا کرنے کے لئے تیار ہے" لیکن نہ میں نے اِس رہائی کو قبول کیا۔ نہ میرے بھائی نے ایسی رہائی کو گوارا کیا، جو آزادی کو، صداقت کو، اور حق کو بیچ کر حاصل کی جائے۔

اگر کچھ لوگ آپ کی جمعیۃ کے مخالف ہیں تو ذرا بھی پروانہ کیجئے، خدا پر بھروسہ رکھ کر اپنے ارادوں میں استقلال اور عزم پیدا کیجئے اور اپنے کام میں مصروف رہئے! آپ بہت جلد دیکھ لیں گے کہ کامیابی کی شاہراہ آپ ہی کے قدموں کے نیچے ہے۔

آخر میں میں نہایت مسرت کے ساتھ اِس عزت افزائی کا ایک مرتبہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں جو آپ نے اس ایڈریس کے ذریعہ سے فرمائی ہے، بڑی خوشی

مجھے اِس بات کی ہے کہ یہ ایڈریس مجھے اِس محلّہ میں اِن ہی حضرات سے ملا ہے، جس محلہ اور جن حضرات میں میری عمر کے دو برس اور سات مہینے نہایت آرام اور آسائش سے بسر ہوئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میری آئندہ زندگی بھی اسی محلہ میں بسر ہوگی۔

میں آپ کی جمعیت عالیہ خوشنویسانِ ہند کی کامیابی کے لئے تہِ دل سے دعا کرتا ہوں:۔

کلمۂ حق

افضلُ الجہادِ کلمۃُ الحقِّ عندَ سُلطانُ الجابرُ

محمد علی کی زبان، لسانِ حق تھی، اُس کی آواز وائسرائے کے ایوان اور ملکِ معظم کے قصرِ حکومت میں گونجی، اور اُس میں لرزش نہ پیدا ہوسکی۔ اُس کا نعرہ انڈیا آفس اور فرانس کے پرشوکت ایوانوں میں بلند ہوا، اور اُس میں غلامانہ کمزوری نہ پیدا ہوسکی۔ اُس نے لائڈ جارج اور مدبرینِ فرنگ کے سامنے مسائلِ اسلامیہ کی وکالت کی، اور اس کی زبان گنگ نہ ہوئی۔ وہ دنیا کے شاہوں، اور شہنشاہوں سے کبھی مرعوب نہ ہوا۔ وہ دنیا کی باعظمت و جلال ہستیوں کے سامنے پیش ہوا، اور اس کی زبان جوہر دار حقائق و معارف کے دریا بہاتی رہی۔ مرعوب ہونا۔ دہشت زدہ ہونا، خاموش ہونا، محمد علی جانتا ہی نہ تھا۔ یہ "جرم" تھا، اور اس کی تعزیرات میں ناقابلِ جرم۔

مسئلہ خلافت سے متعلق مسلمانوں کا نقطۂ نظر پیش کرنے کیلئے، مسلمانانِ ہند کا ایک وفد، جو وقت کے مشاہیر اور اکابر

پرمشتمل تھا۔ محمد علی کی سرکردگی میں نائب السلطنۃ وائسرائے بہادر کی خدمت میں باریاب ہوا۔ وائسرائے کے سامنے انھیں جو کچھ کہنا تھا۔ سب سے پہلے انھوں نے مسلمانوں کے مجمع عام میں بیان کردیا، گویا انھوں نے عامۃ المسلمین سے اجازت لے لی کہ ہم وائسرائے سے یہ کہنے اور اسے بتانے جا رہے ہیں۔ اعتراض ہو تو پیش کرو، ترمیم ہو تو سامنے لاؤ، تبدیلی چاہتے ہو تو بحث و مباحثہ کی پوری اجازت ہے۔

(مُرتّب)

سنگم تھیٹر۔ دہلی۔ ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء

حضرات!

مجھ سے ارشاد ہوا ہے کہ کل جو وفد جانے والا ہے اس کے بارے میں کچھ عرض کروں اور یہ بتاؤں کہ "آئندہ ہمارا ارادہ کیا ہے؟" اب افرادِ قوم بھی اپنی ذمہ داری اور اپنے فرائض کو محسوس کرنے لگے ہیں، وہ قومی کارکنوں کو پیچھے سے دھکیلنے لگے ہیں۔ اب انھیں جگانے کی ضرورت نہیں۔ وہ بیدار ہو چکے ہیں۔ خلافت کے معاملہ میں مسلمانوں کا ایک خیال ہے اور ایک ہی آواز ہے۔ وہ سیاسی معاملات کو ایک ضمنی معاملہ سمجھتے ہیں اور مسئلہ خلافت کو اصل تصور کرنے لگے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" فرمایا تھا۔ ہمارے رسولؐ جو باعثِ تخلیقِ آدم تھے، وہ خدا کے آخری خلیفہ تھے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی خلافت کو بھی انسان کے ساتھ پیدا کیا ہے، عبادت سے مقصود خدا تعالیٰ کی غلامی ہے اور سچے

معنی میں خدا کی غلامی یہ ہے کہ صبح و شام، اٹھتے بیٹھتے اس کے کام کرو، اور روزہ اور نماز اجزائے عبادت ہیں اصل عبادت یہ ہے کہ جو کچھ کرو خدا کے لئے کرو، ورنہ شرک خفی عائد ہوتا ہے۔ اسلام دنیا کو یہی سمجھانے آیا تھا۔ یہ فرض خلافت کی صورت میں پہلے رسولؐ کا تھا پھر اس نے صلحاؐ کو بھیجا، اور اب خلیفۂ وقت ہے وہ خدا کی ایجنٹی اور اتھارٹی ہے تاکہ خدا اللہ کی عبادت رائج ہو اور غیر اللہ کی غلامی سے نجات ملے۔ اور خدا کی مرضی میں ہر چیز گم ہو جائے۔

اگر تم نے خلافت کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا تو اپنی پیدائش کی غرض کو فوت کر دیا۔ یاد رکھو کہ تمہارا اصل کام خدا اللہ کے احکام جاری کرنا ہے۔ یہ تم پر اسی طرح فرض ہے جس طرح رسولؐ پر فرض تھا۔ تمہارا فرض ہے کہ خدا کے احکام اور رسول کی سنت لوگوں تک پہنچاؤ! مگر اب نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے کہ غفلت اور جمود کے باعث غیر مسلم اور غیر اللہ کے سامنے گڑگڑا کر کہنا پڑتا ہے کہ ہمکو ہمارا خلیفہ دیدو!

اب ہمیں یہ کرنا ہے کہ اگر ہم نے پہلے سیاسی غلطی کی ہے تو اب نہ کریں۔ یہ نہ دیکھیں کہ کون ہماری عرض و معروض پر مسکراتا ہے، اور کس کی پیشانی پر بل آتے ہیں؟ جب کوئی حاکم آتا ہے تو ہم اس سے طرح طرح کی امید رکھتے ہیں اور اس کی مزاج دانی میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اصل بات رہ جاتی ہے۔ ہمیں جو کچھ کرنا چاہئے، اپنے بل بوتے پر کرنا چاہئے۔ ہمیں حاکموں سے سخت الفاظ میں کہنے کی ضرورت نہیں۔ نہ تقریر میں سخت الفاظ استعمال کرنے کی ضرورت ہے، سخت الفاظ استعمال کرنا تو کمزوری کی نشانی ہے۔ اگر ہم نے عزم بالجزم کر لیا ہے تو سختی کی ضرورت نہیں۔ اگر دوسرے لوگ ہمیں خوشامدی کہیں تو ہمیں اس کی پرواہ کرنی چاہئے۔ ہمیں یہ چاہئے کہ بغیر سختی اور درشتی کے

حکومت تک یہ پہونچادیں کہ "مسئلۂ خلافت" ایسا معاملہ نہیں کہ مسلمان اس میں اپنے شرعی حدود سے تجاوز کرسکیں۔

بعض وفد جاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ روپیہ میں اٹھارہ آنے ۱۸ اگر تو سولہ آنے ۱۶ ملیں گے۔ اگر چودہ ۱۴ آنے بھی ملیں تو لے لو۔ مگر یہ وہ معاملہ نہیں جس میں قوم نے ہمیں مجاز کیا ہو کہ روپیہ چودہ آنے یا اٹھارہ آنے لے لو، بلکہ اس میں کمی بیشی کرنے کی خود ہم بھی مجاز نہیں۔ یہ اللہ کی سنت ہے، جس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ اللہ کی سنت ۱۳ سو برس سے یکساں چلی آرہی ہے، اس میں نہ کمی بیشی ہوئی ہے، نہ آئندہ ہوسکتی ہے۔ خدا کی مصلحتِ عظمٰی وہی مذہب کا سیدھا راستہ ہے جو ہم کو درنجات تک پہونچا ئیگا۔ اس لئے پہلے ہم وائسرائے کے پاس جائیں گے اور کہیں گے۔ بعد میں اگر سہولتیں حاصل ہوئیں تو ہم بادشاہ تک پہونچیں گے اور کہتے وقت اِس امر کا بالکل خیال نہ کریں گے کہ ہمارا مخاطب کون ہے؟ اور نہ پاسِ اَدب کے خطرہ کو دل میں لائیں گے۔ رسولؐ کی سنت اور قرآن کے احکام، بانگِ دُہل ہم پہونچا کر رہیں گے۔

جہاں تک ہوسکے گا ہم نرمی اور سہولت کے ساتھ اپنی استدعا کو پیش کریں گے اور بتادیں گے کہ ہم اپنے مطالبات میں کمی نہیں کرسکتے، یہ خدا تعالیٰ کے احکام ہیں اور اگر ہمارے مطالبات کے خلاف فیصلہ ہوا، تو مسلمان وہ کریں گے جو خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وفد کے جانے سے پہلے مسئلہ خلافت کا فیصلہ ہوجائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارا دلی مقصد صرف یہ ہے کہ ہم ایسے الفاظ میں جو ہمارے اور حکومت کے شایانِ شان ہوں گے اپنے مطالب کو اور اپنی شرعی مجبوریوں کو ظاہر کردیں گے

ہم بتادیں گے کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا فیصلہ مقبول نہیں ہو سکتا، جو احکام قرآنی سے سرِ مو بھی کم ہو۔

پہلا مسئلہ تحفظِ خلافت کا ہے۔ جو رومن کیتھولک کے پوپ جیسا نہیں ہے کہ چند میل کے باہر اس کی حکومت بالکل نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کرسکتا ہے صرف ان چند میلوں کے اندر جہاں اس کی حکومت قائم ہے۔ خلافت نہ کوئی حکومت ہے، نہ کوئی بطرق جیسا راجہ ہے بلکہ خلافت کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ آج بھی مسلمان اس کو اسی طرح تسلیم کرتے ہیں جس طرح کہ ۱۳ سو سال قبل تسلیم کرتے تھے۔ ان کے لئے حکم ہے کہ "تمھارے اور تمہارے اولی الامر میں تنازع ہو تو وہی کرو، جو خدا کا حکم ہے۔ اب بھی ہر شخص کے لئے وہی حکم ہے۔ اور وہ اس پر عمل کرنے کو مجبور ہے۔ (اللہ اکبر کے نعرے)

برادرانِ من!

عرصہ ہوا کہ ہم نے ایک عریضہ وائسرائے کی خدمت میں بھیجکر مسلمانوں کے احکام شریعت سے انھیں آگاہ کر دیا تھا۔ ہم نے انھیں بتا دیا تھا کہ ہم مستطیع ہیں مگر احکام شرعی کے پابند ہیں۔ ہم دونوں بھائیوں نے آپس میں اقرار کیا تھا کہ اگر وقت آجائے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر ہجرت ضروری ہو جائے تو چاہے میرا بڑا بھائی، ہندوستان کے اندر رہ جائے لیکن میں یہاں سے ہجرت کر جاؤں گا۔ اسی طرح بڑے بھائی نے عہد کیا تھا کہ چاہے چھوٹا بھائی ہندوستان کے اندر رہ جائے مگر میں ہجرت سے باز نہ آؤں گا۔

مخبرِ صادق ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا۔ جب دین کی حرمت، شرک

جلی اور خفی سے بچنے کے لئے مسلمان پہاڑوں پر بھیڑ بکریاں چراتے پھریں گے"۔ ابھی تو وہ زمانہ نہیں آیا مگر ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ صرف نماز کا پڑھ لینا کافی نہیں ہے ہمیں صحیح معنوں میں اسلام پر قائم ہونا ہے۔

ایک مرتبہ صحابہؓ نے رسول کریمؐ سے دریافت کیا کہ ہمارے بعد کے آنے والوں کا ثواب کیا ہمارے زمانے کے برابر ہوگا؟ تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ اس وقت پچاس صلحاؑ کی برابر ثواب ملے گا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ آج ثواب کا کام کرنے والے کے قدموں میں سر رکھا جاتا ہے گویا وہ کوئی عجیب الخلقت ہے۔ اُس کو ہار پہنائے جاتے ہیں۔ طرح طرح سے اُس کی تواضع کی جاتی ہے میں اِس سے خوش نہیں ہوتا، روتا ہوں کہ اس وقت ایمان ایسا ضعیف ہو گیا ہے اگر اس وقت وہ صحابی رضؓ ہوتے جنھوں نے دینِ اسلام کی خاطر اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ دیا تھا تو کیا کہتے؟ ایک صحابی رضؓ کو جس وقت کفار نے سُولی پر چڑھایا تو ان کا منہ کعبہ کی طرف تھا۔ کفار نے کہا کہ ہم آپ کے رسولؐ مدینہ کی طرف آپ کا منہ کئے دیتے ہیں۔ آپ نے کہا مجھے اِتنی مُہلت دو کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں میں نے خیانت نہیں کی جس کی دی ہوئی جان تھی اسی کے سپرد کرتا ہوں۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ "عشق کی نماز کا وضو خون سے ہوتا ہے"۔

ایک مرتبہ رسولؐ نے شہادت کے لئے تین سرداروں کا تقرر کیا کہ ایک شہید ہو جائے تو دوسرا میدانِ جنگ میں جائے دوسرا شہید ہو جائے تو تیسرا جائے۔ چنانچہ دو سردار شہید ہو گئے تیسرے کو خبر ہوئی کہ دونوں سردار شہید ہو چکے ہیں اب آپ کا نمبر ہے۔ آپ اس وقت کھانا کھا رہے تھے کباب منہ میں تھا آپ نے سنتے ہی گوشت کی بوٹی منہ سے پھینک دی، اپنی جائیداد اسی وقت وقف کر دی۔ اور پھر کہا کہ "اے نفس

اب تیرا دنیا میں کیا رہا ہے؟ جس کے لئے تو دریغ کرے؟" اور بے دریغ میدانِ جنگ میں چلے گئے۔ (اللہ اکبر)

اسی طرح حضرت عمر رضؓ نے آدھا مال راہِ خدا میں دیدیا تھا۔ اور نصف اپنے پاس رکھا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے سارا مال راہِ خدا میں دیدیا تھا۔ جب رسولؐ نے آپ سے دریافت کیا کہ اے صدیق رضؓ اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا؟ تو آپ نے جواب دیا "اللہ اور اللہ کا رسولؐ"

آپ اپنی داد و دہش پر کیا اتراتے ہیں۔ صحابہؓ نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ خدا کے راستہ میں سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ انھوں نے کفرستان میں نورِ ایمان پھیلایا اور راہِ خدا میں سب کچھ دیدیا۔ ان کی ہر چیز ان کے لئے نہیں تھی۔ کوئی چیز انھیں اللہ کی راہ میں جہاد سے نہیں روک سکتی تھی۔

کل شام کو ۵ بجے ہمیں وائسرائے کے سامنے وفد کی صورت میں پیش ہونا ہے۔ جو مطالب ہمیں وہاں پیش کرنے ہیں، وہی میں نے یہاں آپ کے سامنے بیان کر دیئے بعد میں اگر ضرورت ہوئی (اور موقعہ ہوا) تو ملکِ معظم کے سامنے بھی یہی حقائق دُہرائے جائیں گے۔ عرض کریں گے کہ ہم آپ کے ماتحت ہیں کوئی طریقہ نکالئے کہ خلافت کے ساتھ فیصلہ ہو جائے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ مسلمان آپ کے اس فیصلہ پر راضی نہیں ہو سکتے جو قرآن کے خلاف ہو۔ اور اس صورت میں امن قائم نہیں رہ سکیگا

خدا ظلم کو فلاح نہیں دیتا۔ خدا ہماری حکومت کو بھی توفیق دے کہ وہ ظلم سے باز آجائے، کیونکہ ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ ہم اس کی دعا کریں ؎

حقائق و معارف

فرانس کے اربابِ اقتدار کے سامنے اعلاءِ کلمۃُ الحق

مسئلۂ خلافت کے انفصال کے لئے، محمد علی نے ہندوستان میں جو کچھ ممکن تھا کیا۔ وائسرائے کی خدمت میں بھی ایک وفد لے کر بار یاب ہوئے۔ لیکن گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا، ناکامی و نامرادی سے دوچار ہونا پڑا۔

اَب جمعیتِ خلافت کی طرف سے ایک وفد یورپ بھی گیا، محمد علی رئیس وفد تھے، ارکانِ وفد میں مسٹر سیّد حسین اور مولانا سیّد سلیمان ندوی بھی شامل تھے، مسٹر حسن محمد حیات اس کے سکریٹری تھے۔

یہ وفد اس لئے گیا تھا کہ یورپ کی رائے عامّہ کو ہموار کرے۔ یورپ کے اربابِ فکر و نظر کے سامنے اپنے خیالات پیش کرے، دیارِ فرنگ کے اربابِ سیاست کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرے۔ وفد نے یہ سب کچھ کیا، اور اپنی سعی کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔

محمد علی نے یہ تقریر فرانس کے دارالسلطنت پیرس میں کی، عام جلسہ تھا، حاضرین کی تعداد اندازہ سے کہیں زائد تھی۔ اِس جلسہ کی

ایک خصوصیت یہ تھی، کہ اس میں فرانسیسی کابینہ کے متعدد ممبران بھی شریک تھے +

(مُرتّب)

(۲۰ ر اپریل سنہ ۱۹۲۰ء۔ پیرس)

جناب صدر، محترم خواتین اور معزز حاضرین!

میں معافی چاہتا ہوں کہ مجھے اتنی زبانوں سے واقفیت نہیں ہے، جتنی کہ شاید مجھے بحیثیت ایک اسی قوم کا فرد ہونے کے جو ایک یورپین قوم کے تابع ہے ہونی چاہئے تھی میں نے علاوہ اپنی مادری زبان اور چند ہندوستانی اور مشرقی زبانوں کے انگریزی پڑھی ہے، لیکن اب میں یہ دیکھتا ہوں کہ اگرچہ میں انگلستان کے اتحادیوں کے درمیان ہوں، لیکن میری انگریزی کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوئی۔ خواتین اور حضرات! مجھ کو سات کروڑ مسلمانوں اور ۲۵ کروڑ دیگر مذاہب کے لوگوں نے جن کو مسلمانوں کیساتھ دلی ہمدردی ہے۔ ہندوستان سے نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ اُن سب کی طرف سے اور نیز اپنی طرف سے میں نہایت خلوص کے ساتھ آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ آپ نے کمال مہربانی اور نہایت فراخ دلی سے اس قدر قلیل عرصہ کی اطلاع پر اس جلسہ میں شرکت فرمائی۔

فرانس کی انسانیت اور شرافت

فرانس تمام دنیا میں وسیع ہمدردی اور انسانیت کے لئے مشہور رہا ہے اور کسی صورت

میں بھی ہمارے لئے فرانس سے راستبازی اور انسانی ہمدردی کی اِلتجا کو لبیک کہنے کی اُمید رکھنا بیجا نہ ہوتا۔ لیکن ہمارے سپاہی جو آپ کی اہم ضرورت کے وقت یہاں آئے تھے، اور جو خطرات اور مصائبِ جنگ میں آپ کا ہاتھ بٹاکر گھر واپس گئے ہیں۔ آپ کی شکرگزاری اور نیک نیتی کی نہایت خوش گوار یادگار لے کر یہاں سے لوٹے ہیں اور یہ قدرتی اَمر ہے کہ ہم فرانس کے نیک دل باشندوں سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے مذہب کے نہایت ضروری احکام اور ہماری قوم کے نہایت عزیز جذبات کا لحاظ رکھیں گے۔ فرانس جس نے اِس جنگ میں اِس قدر نقصان برداشت کیا ہے اور جو باوجود فتح کے اب بھی سخت مشکلات میں مبتلا ہے۔ ہمارے ان کروڑ ہا ہم مذہبوں اور ہم وطنوں کے ساتھ خوب ہمدردی کر سکتا ہے۔ جو ابھی خوفناک مصائب اور جان کاہ تفکرات کا شکار ہوئے ہیں۔ اور جن کو دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہوگئی ہے ؞

ضمیر کی آزادی

خواتین اور حضرات!

ہم یہاں ترکی یا ترکوں کی نمائندگی کرنے نہیں آئے ہیں، ہم صرف اپنے اور اپنے ملک یعنی ہندوستان کے نمائندے ہیں۔ جب ترک یہاں آئیں گے تو وہ خود اپنا معاملہ آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ مگر ہم جو آج آپ کے سامنے حاضر ہوئے ہیں تو ترکوں کے معاملہ کو پیش نہیں کرتے ہیں۔ ہم صرف مسلمانوں اور اپنے ہم وطن ہمدردوں کا مسئلہ پیش کرتے ہیں جو اس بارہ خاص میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ ہمارا قضیہ یہ ہے۔ «ہم یہاں آپ سے صرف یہ کہنے آئے ہیں کہ آپ ہمارے لئے صرف ایک چیز

چھوڑ دیں اور یہ ایک چیز وہ ہے جو تمام ممالک اور تمام ذرائع سے ہمیں زیادہ عزیز ہے یعنی ہمارے ضمیر کی آزادی (چیرز) ہم فرانس والوں کے پاس اس لئے آئے ہیں۔ آپ ہمیں بچائیں اور ہمارا روحانی تقدس قائم رکھنے میں ہماری مدد کریں (چیرز)

بقائے خلافت

جو بات ہمیں یہاں لائی ہے وہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں محض ترکی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ ہندوستان، الجیریا اور تونس کا مسئلہ نہیں ہے وہ "بقائے خلافت" کا مسئلہ ہے۔ خلافت دنیا میں پرستارانِ توحید کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔ دنیا کے مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت سلطان المعظم کو "امیر المومنین، نائب اور خلیفۂ رسولؐ" مانتی ہے۔ اس عقیدہ کا ایک جزو لازمی یہ ہے کہ جناب امیر المومنین یعنی خلیفہ کے قبضے میں کافی ملک اور کافی بحری اور بری ذرائع اور کافی آمدنی کے وسیلے ہوں۔ مگر یہ کس لئے؟ ملک گیری کے لئے نہیں اور نہ ترکی کی حفاظت کے لئے بلکہ صرف ایمان کی حفاظت کے لئے۔ اس کام کے لئے کہ وہ دنیا میں مسلمانوں کے سردار ہیں، اور جب کبھی دنیا کے کسی گوشے میں مسلمانوں کا ایمان خطرے میں ڈالا جائے تو کم از کم مُفسدے وہ یہ کہنے کے تو قابل ہوں کہ "خبردار تو بچ کر نہیں جا سکتا" (چیرز)

اعتقاداتِ اسلامیہ کے مرکز

یہی ہمارے مطالبہ کا جزوِ اعظم ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا ایک اور مطالبہ ہے اور وہ یہ ہے کہ چند ممالکِ اسلامیہ میں جو ہمارے اعتقاد کے مرکز ہیں، جس طرح خلافت

ہمارے ایمان کا مرکز ہے ان مقامات کو ہم "جزیرۃ العرب" کہتے ہیں۔ شاید آپ کو اس اصطلاح کے سمجھنے میں کچھ دقت ہو۔ اس متبرک خطّے کو جو ہمارے اعتقاد کا مرکز ہے، اور ہمیشہ سے رہا ہے، ہم "جزیرہ" کہتے ہیں، اور یورپ کے جغرافیہ داں "جزیرہ نما" ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرماتے وقت مسلمانانِ عالم کو ایک وصیت فرمائی۔ اور ایک بہت بڑی ذمہ داری ان کے کندھوں پر رکھتے ہوئے فرمایا کہ "خدا تعالیٰ کی زمین کے اس ایک مقام میں ایمان کی اس متبرک پناہ گاہ میں کسی غیر مسلم کا قبضہ نہ ہونے دو۔"

جزیرۃ العرب کی وجہ تسمیہ

جزیرہ نمائے عرب کی حدود آپ کو معلوم ہیں۔ مگر یہ سمجھنے کے لئے کہ اس عرب کو جسے آپ "جزیرہ نما" کہتے ہیں۔ ہم جزیرہ کس طرح کہتے ہیں۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ جیسے اس کی تین طرف بحیرۂ روم۔ بحیرۂ قُلزم۔ بحرِ ہند اور خلیج فارس ہیں۔ اسی طرح چوتھی طرف بھی وہ دریائے دجلہ اور فرات سے محیط ہے۔ اس لئے جزیرہ نمائے عرب کے علاوہ اُس میں عراق عرب۔ شام و فلسطین بھی شامل ہیں۔ تیرہ سو برس سے زیادہ ہوئے یہ مقامات قطعی طور پر مسلمانوں کے قبضے میں چلے آتے ہیں۔ اور ہم اب بھی ان پر مکمل اسلامی قبضہ چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ عراق عرب میں ہم کو تیل کی تلاش ہے جیسا کہ مسٹر لائڈ جارج کو موتصل میں ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ ہم پیغمبرانِ عالم کے مقاماتِ ولادت اور ان کے روضوں کی جاروب کشی کے آرزومند ہیں۔ (بلند چیرز)

آسمانی امانت

زیادہ تر یہ مقامات غیر مزروعہ اور ناقابلِ کاشت ہیں۔ پیشتر اس کے کہ مسٹر لائڈ جارج کو وہاں تیل کے کنوئیں ہاتھ لگیں، وہاں دیگر ذرائع بھی کچھ معقول نہ تھے۔ مگر اس وقت بھی ان کی محبت ہمارے دلوں میں تھی، وہ جب بھی ہم کو جان سے زیادہ عزیز تھے۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ سرسبز و شاداب تھے یا وہاں معدنی کانیں تھیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ خدا کی دی ہوئی روحانی سلطنت کا مرکز تھے ان میں پیغمبر پیدا ہوئے تھے ہم اپنے آپ کو عیسائیوں یا یہودیوں سے غیر نہیں سمجھتے۔ ہم حضرت مسیحؑ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے اصلی وارث ہیں۔ کیونکہ آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہم تمام پیغمبروں کو مانتے آئے ہیں ہم یہی کہتے ہیں کہ "خدا کی زمین کے اِس حصہ کی محافظت سے ہم دست بردار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں ہم اس امانت میں خیانت کے مرتکب ہونگے، جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنا فرماں بردار سمجھ کر ہمارے سپرد کی تھی۔

مقاماتِ مقدسہ کا تحفّظ

اِس خطّہ "جزیرۃ العرب" میں اسلام کے تین بڑے مقاماتِ مقدسہ ہیں یعنی مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس۔ بے شک بیت المقدس ہم کو اسی قدر عزیز ہے، جس قدر عیسائیوں اور یہودیوں کو۔ ہم بھی اس کو مقدس سمجھتے ہیں اور ہم ہمیشہ بیت المقدس کو نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں

کے لئے بھی ایک متبرک امانت سمجھا کئے ہیں۔ ہم نے کسی قسم کے اختلاف و منافرت کا کبھی اظہار نہیں کیا۔ اِن تین متبرک حرموں کے علاوہ عراقِ عرب میں نجفِ اشرف، کربلائے معلّٰی۔ سامرہ۔ کاظمین شریفین اور بغداد ہماری متبرک زیارت گاہیں ہیں اور یہ سب احکامِ اسلام کے بموجب ہمیشہ خلیفہ کے زیرِ حفاظت رہنی چاہئیں۔

بس ہمارے یہی تین مطالبات ہیں۔

(۱) خلافت کے ٹکڑے نہ کئے جائیں اور خلیفہ کو حفاظتِ دین کے لئے کافی دنیاوی اقتدار حاصل ہو۔

(۲) عرب میں قطعی اسلامی تصرف ہو اور کوئی محافظ یا اعلیٰ نگراں اس پر نہ ہو

(۳) خلیفہ جس طرح اب تک کلید بردار مقاماتِ مقدسہ رہے ہیں اب بھی رہیں۔

محض حفاظتِ دین مقصود ہے،

خواتین اور حضرات!

آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے مطالبات بہت ہی مختصر ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم تمام دنیا کے مالک بننا چاہتے ہیں جیسا کہ ایک فرانسیسی اخبار نویس نے ہمارے مطالبات پر بحث کرتے ہوئے بتانا چاہا تھا۔ ہم اتنی بڑی قوت نہیں چاہتے، جتنی فرانس جرمنی یا انگلستان کو حاصل ہے۔ بلکہ ہم تو صرف اِتنی طاقت کے متمنّی ہیں جس سے ہم اپنے دین کی حفاظت کرسکیں، اور اس کے لئے تھوڑا سا ملک اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہیں ہمارے مطالبات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہی حالت برقرار رکھی جائے جو جنگ سے پہلے رکھی گئی ہے ان سیاسی تغیرات کو بھی کالعدم کرنا نہیں چاہتے۔ جن سے غیر ترک قوموں

خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی یا یہودی، نہ صرف حفاظتِ جان و مال مقصود ہو بلکہ جن سے حکومتِ خود اختیاری کا بھی موقع ملتا ہے۔

غیر مسلموں کی شرکت

ہم جو ہندوستان سے آئے ہیں، جانتے ہیں کہ ایک قلیل جماعت کے لئے اپنے حقوق کی حفاظت کرانا کس طرح ممکن ہے؟ کیونکہ ہم خود ایک ایسی جماعت کے افراد ہیں۔ اپنے حقوق کی حفاظت کر لینے کے بعد ہم نے ہندوستان کی آزادی کے لئے اپنے ہمدردانِ ملک کے پہلو بہ پہلو جنگِ آزادی جاری رکھی ہے۔ اور آج ہندو مسلمان پارسی سب کے سب ہمارے اس مسئلہ میں شریک ہیں جو محض ایک مذہبی مسئلہ ہے یعنی مسئلہ خلافت۔ اس لئے ہم خود کسی طرح عیسائیوں کے لئے آرمینیا۔ یہودیوں کیلئے فلسطین اور شام و عراق اور عرب میں خود اختیاری حکومتیں قائم ہوتے دیکھنا گوارا نہیں سمجھ سکتے۔ عرب ہمارے ہم مذہب اور دینی بھائی ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے، کہ عربوں کو حکومتِ خود اختیاری حاصل کرنے کا موقع نہ دیا جائے اور ہم جو خود ایک محکوم قوم ہیں یہ نہیں چاہتے کہ کوئی اور قوم محکوم ہونے کی ذلت اٹھائے اور اس کو اپنے معاملات کے انتظام میں کوئی دخل نہ ہو۔

اہلِ ہند صلح تسلیم نہ کریں گے

ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ جنگ جس کے مقابلہ کی جنگ کبھی نہیں ہوئی، ایسے خوفناک واقعات کبھی عرصہ شہود میں نہیں آئے، یا ایسے ہتھیار کبھی کام میں نہیں لائے گئے۔ اتنی مخلوق

کبھی قتل و غارت نہیں ہوئی اختتام پذیر ہوگئی ہے اور اس کو ختم ہوئے بھی مدت ہوگئی ہے، ایسی مہیب جنگ کے بعد یہ امید کرنا بالکل عیاں ہے کہ لوگ جنگ سے اکتا جائیں گے، مگر آج جب کہ جرمنی کے ساتھ صلح کئے ہوئے ایک سال گزر گیا جس سے یورپ کو خطرہ تھا اور اب کسی کو نہیں۔ آج ہم کیا حالت دیکھتے ہیں؟ مخلوق پر ابھی امن کی حکومت کا دور دورہ نہیں ہوا۔ آج لوگوں کے دلوں میں امن و سکون نہیں ہے اگر آپ فتح کے نشے میں سرشار ہوکر وہ فتح جو ہندوستانی سپاہیوں اور مسلمان سپاہیوں کی مدد سے آپ کو حاصل ہوئی ہے، اُن لوگوں سے جو جنگ میں آپ کے شریک تھے آج یہ کہتے ہیں کہ ”جاؤ صلح میں تم ہمارے شریک نہیں، تم لڑے اور تم نے جنگ کو بچایا۔ لیکن آج صلح تم نہیں کروگے، اور خصوصاً وہ صلح جو ہم چاہتے ہیں“ تو خواتین اور حضرات! آپ سے یہ کہہ دینا میرا ناگوار فرض ہے اور میں تیں کروڑ لوگوں کی طرف سے آپ سے کہتا ہوں جن کے احساسات و جذبات کا آپ کو بالکل اندازہ نہیں ہے کہ یہ لوگ بلا استثناء مرد و عورت تمام متفق ہوکر اس صلح کو ہرگز نہیں مانیں گے۔ (بلند چیرز) +

ناتوانوں کے ضمیر پر جبر نہ ہونا چاہئے

میرے دوست مسٹر سیّد حسین آپ کو ہندوستان کی موجودہ حالت بتائیں گے، جب آپ اُسے سُن لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ نے ابھی جنگ کے سبق کا مطالعہ ختم نہیں کیا ہے اور آپ ابھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ”اب ہم کو اس کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوگی“ برخلاف اس کے آپ کو معلوم ہوگا کہ دُنیا

آج غار پر کھڑی ہے اور شاید ایک اور مہیب تر جنگ کے کنارے پر ہے۔ اِس فتح کے زمانے میں آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ صلح کی فتوحات بھی جنگ کی فتوحات سے کچھ کم قابلِ ستائش نہیں ہوتیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ سچا مذہبی اعتقاد دنیاوی قوت سے زیادہ مضبوط ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ غنیمت میں بڑے بڑے علاقے حاصل کر لینا کافی نہیں ہے لوگوں کو یہ یقین دلانا ضروری ہے کہ آپ ان کے مذہبی احساس کا لحاظ رکھتے ہیں اور نیز یہ کہ آپ بڑے اور قوی ہونے کی وجہ سے چھوٹوں اور کمزوروں کے ایمان پر جبر نہیں کر سکتے۔ اگر آپ ہمارے لئے ضمیر کو آزاد چھوڑ دیں تب ہی اور صرف اِسی صورت میں آپ کو امن حاصل ہو سکتا ہے (بلند اور دیرپا چیز) ✤

دول متحدہ کے مواعید

میرے دوست آپ کو بتائیں گے کہ وہ لوگ جو آج سان ریمو میں دروازے بند کئے بیٹھے ہیں اگر یہ خیال کرتے ہیں کہ تین یا چار آدمی اکٹھے بیٹھ کر اس طرح اقوام عالم کی قسمتوں کا فیصلہ کر سکتے ہیں تو وہ بہت بڑے مغالطے میں ہیں۔ لوگوں نے مصمم ارادہ کر لیا ہو کہ وہ ہرگز اس صلح کو منظور نہ کریں گے جو ان کے ضمیر کے خلاف ہو اور ان کے ایمان کے بالکل منافی ہو اور جو ان وعدوں سے مختلف ہو جو انگلستان فرانس اور روس کی طرف سے ان سے کئے گئے تھے، وہ وعدے یہ تھے کہ،

(۱) اِس جنگ میں مذہبی مسائل درپیش نہ ہوں گے۔

(۲) مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ حملہ اور مداخلت سے بری رہیں گے۔

(۳) مسلمانوں کے مذہبی فرائض کا احترام کیا جائے گا۔

(۴) سلطنتِ اسلامیہ کے ترکی حصص پر ترکی اقتدار رہے گا اور باقی کے لئے حفاظتِ جان و مال کی ذمّہ داری اور حکومتِ خود اختیاری کا موقع دیا جائے گا اگر یہ وعدے پورے نہ ہوئے اور اگر بدقسمتی سے کوئی حادثہ ہندوستان میں پیش آیا، جو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ فرانس اور اٹلی دونوں کے لئے اس مصیبت سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔ اگرچہ حادثات ہندوستان میں شروع ہوں، مگر وہ ختم ہندوستان میں نہیں ہوں گے۔

ایک پیش آنے والا خطرہ

خواتین و حضرات!

نہ آپ کو معلوم ہے نہ ہم پیشین گوئی کر سکتے ہیں کہ مشرق میں صورتِ حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ لیکن مشرق میں آپ کی بڑی ذمّہ داریاں ہیں، اور میرے خیال میں آپ کے مفاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ آج اس طرف توجّہ کریں، کیونکہ ابھی وقت ہے اور ہم آپ کے پاس دوستانہ طریق پر دوستانہ آگاہی پہنچانے آئے ہیں، کیا یہ ضروری اور مناسب نہیں ہے کہ ایک دوست پیش آنے والے مہلک خطرات کے موقع پر دوسرے دوست کے پاس جا کر اس کو پہلے سے مطلع کر دے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ اپنے ہی فائدہ کے لئے حتی الوسع اپنی حکومت پر اثر ڈال کر ایک اور پیش آنے والی جنگ کو روکیں گے، جس کے لئے آج یورپ بھی تیار نہیں ہے۔

لیکن اس سے زیادہ ہم امید کرتے ہیں کہ انگلستان کے دوست کی حیثیت

سے آپ اپنے دوستانہ تعلقات سے کام لے کر انگلستان کو بھی آگاہ کر دیں گے اور کہہ دیں گے کہ " اس کو ایک حقیقی نہ کہ خیالی خطرہ پیش آنے والا ہے۔"

اہلِ ہند کے دلوں کی تسخیر

اس وقت میں صرف اتنا ہی عرض کروں گا اور مجھے خوف ہے کہ میں نے پہلے ہی ایک ناآشنا زبان میں اتنی دیر بول کر آپ لوگوں کو تکلیف میں رکھا ہے۔ میں پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مجھے اچھی طرح خیال ہے کہ ایک فرانسیسی ہی نے یہ لکھا ہے کہ " انسان آزاد پیدا ہوا تھا لیکن وہ ہر جگہ پابہ زنجیر ہے۔" اگر آج مخلوق پابہ زنجیر ہے تو مجھے امید ہے کہ کوئی فرانسیسی ہی اس کو توڑے گا۔ ایک وہ وقت تھا کہ فرانسیسی ہندوستان میں کشور کشائی کی امید سے عازم شرق ہوئے تھے۔ لیکن اگر ہندوستانیوں کو در اصل مفتوح قوم کہا جا سکتا ہے تو یہ فتح ایک اور ہی قوم کی قسمت میں تھی۔ آج موقع ہے آپ اگر عرضِ ہند کو نہیں تو اہلِ ہند کے قلوب کو تسخیر کر سکتے ہیں۔

(۳) مسلمانوں کے مذہبی فرائض کا احترام کیا جائے گا۔

(۴) سلطنتِ اسلامیہ کے ترکی حصص پر ترکی اقتدار رہے گا اور باقی کے لئے حفاظتِ جان و مال کی ذمہ داری اور حکومتِ خود اختیاری کا موقع دیا جائے گا اگر یہ وعدے پورے نہ ہوئے اور اگر بدقسمتی سے کوئی حادثہ ہندوستان میں پیش آیا، جو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ فرانس اور اٹلی دونوں کے لئے اس مصیبت سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔ اگرچہ حادثات ہندوستان میں شروع ہوں، مگر وہ ختم ہندوستان میں نہیں ہوں گے۔

ایک پیش آنے والا خطرہ

خواتین و حضرات!

نہ آپ کو معلوم ہے نہ ہم پیشین گوئی کر سکتے ہیں کہ مشرق میں صورتِ حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ لیکن مشرق میں آپ کی بڑی ذمہ داریاں ہیں، اور میرے خیال میں آپ کے مفاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ آج اس طرف توجہ کریں، کیونکہ ابھی وقت ہے اور ہم آپ کے پاس دوستانہ طریق پر دوستانہ آگاہی پہنچانے آئے ہیں، کیا یہ ضروری اور مناسب نہیں ہے کہ ایک دوست پیش آنے والے مہلک خطرات کے موقع پر دوسرے دوست کے پاس جا کر اس کو پہلے سے مطلع کر دے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اپنے ہی فائدہ کے لئے حتی الوسع اپنی حکومت پر اثر ڈال کر ایک اور پیش آنے والی جنگ کو روکیں گے، جس کے لئے آج یورپ بھی تیار نہیں ہے۔

لیکن اس سے زیادہ ہم امید کرتے ہیں کہ انگلستان کے دوست کی حیثیت

سے آپ اپنے دوستانہ تعلقات سے کام لے کر انگلستان کو بھی آگاہ کر دیں گے اور کہہ دیں گے کہ "وہ اس کو ایک حقیقی نہ کہ خیالی خطرہ پیش آنے والا ہے"۔

اہلِ ہند کے دلوں کی تسخیر

اِس وقت میں صرف اتنا ہی عرض کروں گا اور مجھے خوف ہے کہ میں نے پہلے ہی ایک ناآشنا زبان میں اتنی دیر بول کر آپ لوگوں کو تکلیف میں رکھا ہے۔ میں پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مجھے اچھی طرح خیال ہے کہ ایک فرانسیسی ہی نے یہ لکھا ہے کہ "انسان آزاد پیدا ہوا تھا لیکن وہ ہر جگہ پابہ زنجیر ہے" اگر آج مخلوق پابہ زنجیر ہے تو مجھے امید ہے، کہ کوئی فرانسیسی ہی اس کو توڑے گا۔ ایک وہ وقت تھا کہ فرانسیسی ہندوستان میں کشور کشائی کی امید سے عازمِ شرق ہوئے تھے۔ لیکن اگر ہندوستانیوں کو دراصل مفتوح قوم کہا جا سکتا ہے تو یہ فتح ایک اور ہی قوم کی قسمت میں تھی۔ آج موقع ہے آپ اگر عرضِ ہند کو نہیں تو اہلِ ہند کے قلوب کو تسخیر کر سکتے ہیں۔

طوفانِ خطابت

اللہ رے یہ کیا زورِ بیان ہے

فرانس کی "مجلسِ حمایتِ اسلام" نے ہندوستانی وفدِ خلافت کے اعزاز میں پیرس کے سب سے بڑے ہال "میل وگرام" میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ حاضرین کی تعداد کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ پیرس کا وہ وسیع اور عریض ہال خلقت کے ہجوم سے پٹا پڑا تھا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ پیرس میں اس سے بڑا جلسہ مشکل ہی سے کوئی ہوا ہوگا۔ جلسہ کے صدر موسیو ڈی منزیٔ تھے، جو پہلے وزیر تجارت بحری تھے۔ محمد علی کی تقریر نہایت غور وخوض سے سُنی گئی، اور اس پر مسرتِ امتنان کا اظہار کیا گیا۔

یہ تقریر محمد علی کے زورِ خطابت، حُسنِ بیان اور جذبِ کلام کا ایک ناقابلِ فراموش اور دل نشیں نمونہ ہے!

"مُرتّب"

۲۱ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء پیرس

مسئلہ "خلافت" کو پیش کرتے ہوئے میں چند کلمات اِن ارمنوں سے بھی کہوں گا

جو اس وقت اس جلسہ میں شریک ہیں۔ ان آرمینوں سے یہ بھی کہوں گا کہ جس قدر محبت مجھے اور ہندوستانیوں کو ارمنوں سے ہے، اتنی یہاں پر کسی اور قوم کو بھی نہ ہوگی، اور اس کی وجہ نہایت ہی معقول ہے۔

لیکن اب ہمیں موجودہ حالت دیکھنی ہے۔ قرن ہا قرن سے ارمنوں اور ترکوں کے تعلقات نہایت خوشگوار چلے آتے تھے، اسی اثنا میں زارِ روس کی وہ گنہگار ہستی جو اپنی بدکرداری کا خمیازہ کھینچ چکی ہے اس موقعہ پر نمودار ہوئی اور غریب آرمینوں کو روس کے دوش بدوش جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ اس لئے نہیں کہ اس جنگ سے ارمنوں کا فائدہ تھا بلکہ وہ لڑائی محض روس کے لئے ترکوں کے خلاف لڑی گئی تھی (چیرز)۔

زاریت کا اور اس استبداد کا اب تو بالکل خاتمہ ہو چکا ہے۔ جس سے ارمنوں کو اپنی ہوس ناک گیری کا آلہ بنائے رکھا تھا۔ کچھ طاقتیں اب ایسی پیدا ہو گئی ہیں جو ان استبدادی روایات کو برقرار رکھنے کے لئے ارمنوں کو پھر اپنی خود غرضی کا آلہ بنا رہی ہیں۔ (چیرز) عارضی صلح کے ہوتی ہی آرمینیا کے متعلق ایک زبردست منصوبہ گانٹھا گیا اور یہ کارروائی قریباً ایک سال سے برابر جاری ہے۔ جو ہاتھ کہ درپردہ ارمنوں کے قتل کے متعلق درد ہی کر رہا ہے وہی ہاتھ ترکوں کے خون سے بھی رنگا ہوا ہے۔ (چیرز)

شرائط صلح جو ہمارے پیشِ نظر ہیں، بہت ہی ناپاک ہیں، جن کی رو سے اتحادیوں نے ہر ایک اسلامی ملک پر اپنی اپنی حکم برداری قائم کر لی ہے۔ یونان کے حوالہ سمرنا اور تھریس کر دیا گیا ہے۔ عراق اور فلسطین پر انگریزوں نے اپنا تسلط جما لیا ہے لیکن اے غریب بیکس ارمنو نہ تمہاری سرزمین میں تیل ہے نہ تمہارے پاس روئی ہے تمہارے لئے صرف ایک چیز ہے اور وہ قتل۔ (چیرز۔ غلغلہائے تحسین)

اے ارمنو میں تم سے کہوں گا، ترکوں کے ساتھ دوستی میں تمھیں زیادہ فائدہ ہے بمقابلہ اس کے کہ تم عیسائی دوستوں سے مدد چاہو (چیرز) تمھارے لئے ہر روز اور ہر گھڑی ایک نئی مصیبت ہوگی۔ اگر تم لوگ ترکوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے تو ایک نئی سلطنت قائم ہوگی، جو نئی حکومتِ جمہوریہ ترکی کے درمیان ہوگی، جو عیسائی ترکی آرمینیاں میں نہ رہنا چاہیں وہ دوسری طرف چلے جائیں اور جو مسلمان عیسائی علاقہ میں رہنا پسند نہ کریں، وہ ترکی علاقے میں چلے جائیں۔ چونکہ دورانِ جنگ میں تمام علاقے تباہ ہو چکے اور اب پھر تعمیر کئے جائیں گے۔ اس لئے نقل مکان کرنے والی دونوں جماعتوں کے درمیان جائیداد اور اثاث البیت کے مبادلہ کا انتظام کچھ زیادہ مشکل نہ ہوگا۔

نیابت جداگانہ

اگر اس سے تمھارا اطمینان نہ ہو اور تم وہیں رہنا چاہو جہاں اس وقت رہتے ہو تو میں تمہارے لئے انھیں حالات کی تجویز پیش کرتا ہوں جو ہمیں ہندوستان میں حاصل ہیں۔

ہم مسلمانانِ ہند اپنے ملک میں بمقابلہ ہنود کے قلیل التعداد ہیں۔ ہم نے اپنے ہموطن بھائیوں کی اکثریت سے یہ سمجھوتہ کر رکھا ہے کہ جس صوبے میں ہماری اقلیت، ہمارے حقوق کا مناسب تحفظ کرنے سے عاری ہو۔ اس میں وہ ہماری تعداد کے تناسب سے زیادہ حقوق دیدیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ترکی صلح کے مسئلہ میں، جو ایک خاص مذہبی مسئلہ ہے، ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ یہاں حال میں جو کچھ پارسی حضرات موجود ہیں، جن میں مسٹر بومبارجی تقریر کریں گے اور آپ کو بتائیں

گے کہ وہ سب ہمارے ساتھ ہیں۔ ان میں سے ہر آدمی ہمارے ساتھ ہے

یونانیوں کی مداخلتِ بیجا

میں اس امر کو ثابت کر سکتا ہوں کہ میں آپ کی طرح ایک نہایت اچھا عیسائی ہوں (چیرز) کیونکہ جو کچھ میں اپنے لئے پسند نہیں کرتا، آپ کے لئے بھی پسند نہیں کر سکتا "ہرچہ بر خود مپسندی بر دیگراں ہم مپسند"۔ لیکن جب کوئی قوم سمرنا یا تھریس میں گھسنا چاہتی ہے، حالانکہ اسے اس مداخلت کا کوئی حق نہیں تو پھر مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ میں صلح پسند آدمی ہوں اور دنیا کو بھی صلح ہی کی ضرورت ہے۔ (چیرز) لیکن اگر یونانی لڑنا چاہتے ہیں تو ان کا مقابلہ لڑائی ہی سے کیا جائے گا۔ (چیرز) لیکن ان باتوں پر صرف تالیاں بجانے سے کچھ فائدہ نہیں، یونانی فتحمند ہوئے تو فبہا، لیکن اگر انھیں منہ کے بل گرا دیا گیا اور مجھے امید ہے کہ وہ عنقریب گرا دیئے جائیں گے۔ اس لئے نہیں کہ وہ یونانی ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ غیر منصف ہیں (چیرز) اس کے بعد وہ آپ لوگوں سے۔ فرانس سے اور انگلستان سے عیسائیت کا واسطہ دے کر اپیل کریں گے، حالانکہ عیسائیت کو تو انھوں نے خود اپنے پاؤں کے نیچے رکھ کر کچل ڈالا (چیرز)

یونان کی مدد آپ کرینگے

خواتین و حضرات!

اگرچہ آپ سے کہا گیا ہے کہ آپ کو ایک سپاہی کی جان کا نقصان بھی نہ اٹھانا پڑے

اور ایک فرانک بھی خرچ نہ ہوگا۔ تاہم اگر آپ نے اسے برداشت کیا، تو بہت بڑی بات ہوگی۔ ناانصافی کبھی ارزاں نہیں پڑی (طویل چیرز) لیکن آپ لوگ جو تھک کر چور ہو چکے ہیں۔ آپ لوگ جنھوں نے سب سے بڑا ایثار کیا ہے، اور پھر آپ لوگ جو آج اپنے ہمسائیوں سے صرف ایک نیکی کا لفظ سننے کے لئے بے قرار ہو رہے ہیں۔ یہ کہتا ہوں کہ آپ ہی سے استدعا کی جائے گی کہ وینزیلوس اور اس کی جنگی طاقت کے تحفظ کی خاطر اپنے آدمی اپنے سپاہی اور اپنا روپیہ بھیجیں۔ وینزیلوس نے ایک شہنشاہ پر فتح پائی ہے۔ اور میں، تو متوقع تھا کہ وہ خود بھی شہنشاہ بن جائے گا (قہقہہ) لیکن آج میں نے آپ کے اخبارات میں پڑھا ہے کہ سلطنتِ وینزیلوس نے مسٹر لائڈ جارج کی اعانت سے فتح کی ہے اس کے لئے ایک جمہوریت پسند قوم شہنشاہ تجویز کرے گی۔

(قہقہہ اور تالیاں) +

یہ جنگ گزشتہ جنگ کی مانند ہوگی

بہر حال میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر تین چار دن میں یہ فیصلہ ہو گیا اور جنگ قرار پا گئی تو یہ جنگ صرف ٹرکی اور یونان ہی تک محدود نہ ہوگی۔ یہ جنگ گزشتہ جنگِ جرمنی کی مانند ہوگی۔ دنیا کے لوگوں نے بہ نظرِ احتیاط ہمیں مسلح کر دیا۔ ہم کو کسی جماعت میں شامل نہ رہنے دیا۔ لیکن ہماری مشترکہ انسانیت تو کہیں معدوم نہیں ہو گئی۔ (چیرز) +

یہ جنگ کب تک رہے گی

جب تک ایک مسلمان مرد، عورت یا بچہ بھی باقی ہے۔ جب تک اس کے ضمیر

ایمان کو آزادی نہ دی جائے گی۔ جب تک اس کے مذہبی فرائض کا احترام نہ کیا جائے گا اُس وقت تک یہ جنگ جاری رہے گی۔ (چیرز) لیکن اگر آپ صلح چاہتے ہیں تو یہی وقت ہے۔ اپنی حکومت سے کہیئے کہ وہ اپنی تمام چالوں کو عالم آشکارا کر دے، اور خفیہ سیاست کا شیوہ ترک کر دے۔ (چیرز)

ترکوں کے خیر خواہ موسیو ملرینڈ

کچھ دن گزرے مجھے ایک فرانسیسی صاحب کا خط ملا جو صرف اپنے ملک ہی میں نہیں بلکہ مشرق میں بھی مشہور و معروف ہیں۔ اس خط میں صاحب موصوف نے مجھے بتایا کہ موسیو ملرینڈ نے کہا ہے، اگر فرانس میں ایک آدمی ایسا بھی موجود ہے جو—موسیو پیرلوٹی سے بھی زیادہ ترکوں سے محبت رکھتا ہو تو وہ ملرینڈ ہے (بلند چیرز) اب میں آپ کی وساطت سے موسیو ملرینڈ اور ان کی حکومت سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ دو ہی تین دن کے اندر اندر اپنی دوستی اور محبت کا ثبوت دیں (چیرز) لیکن دوستی اور محبت صرف لفظوں سے ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اعمال و افعال سے اس کا ثبوت ملتا ہے (چیرز) اب اس دوستی کا ثبوت بہم پہنچانا آپ کا فرض ہے۔

مُعاہدۂ صلح ٹرکی

اس مُعاہدۂ صُلح سے مسلمانوں کے ضمیر کی توہین ہوئی ہے (چیرز) اس کا مدعا خلافت کو پارہ پارہ کر دینا ہے۔ چونکہ اس خلافت کو غیر مطلق العنان طاقت بنانا مقصود ہے لہٰذا اس سے خلافت کے فرائض کی تکمیل قطعاً نہیں ہو سکتی۔ اس میں مطالبہ کیا

گیا ہے کہ ترک ان حکم برداریوں کو جو انگلستان اور دیگر طاقتوں کو دی جائیں گی پیش از وقت ہی تسلیم کرلیں (چیرز) شرائطِ صلح میں اگر حکم برداریوں کو تسلیم کر لیا گیا اور اگر دنیائے اسلام کے جائز مطالبات کو نہ مانا گیا تو اس کا حشر نہایت ناخوشگوار ہوگا۔ میں نے داماد فرید پاشاہ سے درسیلز میں کہہ دیا ہے کہ اگر سلطان المسلمین نے صلحنامہ پر دستخط فرما دیئے، یا ان کی طرف سے کسی نے دستخط کر دیئے۔ تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ ہرگز خلیفہ نہیں رہ سکتے اور انھیں خلافت کی مسند سے اتر جانا پڑے گا۔ (چیرز)

میں ترک نہیں ہوں، میرا تعلق ان لوگوں سے ہے جنھوں نے انگلستان اور آپ لوگوں کی خاطر اپنے خون سے فرانس کی زمین کو سُرخ کر دیا، اور جنھوں نے ایک حد تک انگلستان اور آپ کو فتحمند ہونے میں مدد دی۔ یہ الفاظ کسی ترک کے نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہندوستانی کے ہیں۔ میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ مجھے میرے مذہب نے مجبور کیا ہے کہ میں اور میرے ساتھی اسلام کی راہ میں کام آئیں۔ یہ میرا مذہب ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ میرا ایمان ہے جو مجھے مجبور کر رہا ہے کہ اصل واقعات اور سلجھی سلجھی باتیں آپ اصحاب کے گوش گذار کروں (چیرز) مجھے امید نہیں کہ اس وقت پیرس میں یا قسطنطنیہ میں یا مصطفےٰ کمال پاشا کی فوج میں کوئی بھی ترک ایسا ملے گا جو موجودہ صلحنامہ پر دستخط کر دے۔ ہم ہندوستانیوں نے وائسرائے ہند اور مسٹر لائڈ جارج سے بہ بانگِ دُہل کہہ دیا ہے کہ ہم لوگ ہرگز ترکی شرائط کو تسلیم نہ کریں گے (چیرز)

ترکی شرائطِ صلح میں دفعہ ۱۳۹ کی رو سے یہ قرار دیا گیا ہے کہ مذہب سے اُس کا کچھ تعلق نہیں۔ یہ ایک نہایت ہی عجیب و غریب بات ہے۔ غلغلہ ہائے تحسین (جس نتیجہ پر میں پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ اتحادی ترکوں سے یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی دنیا کی قسمت

باگ اتحادیوں کے سپرد کردی جائے اور تمام اسلامی دنیا کا مسیحیوں کے ہاتھوں وہی حشر ہو جو مصر کا ہوا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کو کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کرسکتا (چیرز)۔

پھر دفعہ ۱۳۲۔ اور دفعات ۹۶۔ ۹۷۔ اور ۹۸ ہیں۔ ان دفعات کا منشاء یہ ہے کہ ترک اپنے تمام مذہبی و دیگر حقوق و اقتدارات کو جو انھیں شام۔ فلسطین اور عراق عرب میں حاصل ہیں۔ بڑی بڑی دول متحدہ (اگر اس کی جگہ ایک ہی بڑی دولت متحدہ کہا جاتا تو زیادہ قرین راستی ہوتا) کے حوالہ کردیں اور حجاز کے سب حقوق اس برائی سرزمین کے نئے بادشاہ کے حوالہ کردیں۔ جہاں مسلمان صرف خدائے واحد کی ذات پاک کو بادشاہ سمجھتے ہیں۔ حجاز کا بادشاہ اعظم اب خلیفۃ المسلمین کے تمام حقوق کو استعمال کرے گا، لیکن وہ زندگی کیوں کر بسر کرے گا؟ انگلستان کے یہ دوست چون ہزار پونڈ کی رقم حجاز کے بادشاہ کو غالباً اس لئے دے رہے ہیں، کہ وہ انگلستان کا دوست بنا رہے۔

شاہِ حجاز کے گزارے کی صورت

میں بہت سی باتوں کے متعلق ترکوں کو الزام دیتا ہوں، خصوصاً اس لئے کہ وہ عربوں کی دوستی کو قائم رکھنے میں ناکام رہے۔ لیکن میں ترکوں کے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ انھوں نے حجاز کی ریگستانی سرزمین کو ہمیشہ اتنا روپیہ دیا ہے کہ انھیں کبھی اس سرزمین سے اتنا وصول بھی نہیں ہوا (چیرز) اور آخر ہمارے دوست شاہِ حجاز صاحب کب تک اتنا روپیہ برطانوی خزانے سے لیتے رہیں گے؟ غالباً مسٹر لائڈ جارج تو کبھی حجاز میں حج کی نیت سے نہ جائیں گے (قہقہہ) بہرحال اسے اپنی آمدنی کے لئے ہندوستان اور دیگر ممالک کے

غریب مسلمان حاجیوں ہی کا دست نگر ہونا پڑے گا۔ لیکن کیا حجاج اس مقدس ترین سر زمین حجاز میں ایسے شاہ کو برقرار رکھنے کا فرض اپنے ذمہ لیں گے؟ (چیرز)

اماکن مقدسہ کی حکم برداری

بہر حال میں نے امیر فیصل کے سفیر سے کہدیا ہے کہ "اگر عرب اماکن مقدسہ میں کسی ایسی حکم برداری کے قیام پر رضامند ہو جائیں تو ہو جائیں، ہم تو کبھی نہ ہوں گے" (چیرز) اور خدا اتنا عرب کے اس نمائندے کا بھلا کرے۔ اس نے کہا کہ "اماکن مقدسہ کچھ ہماری جائداد تھوڑے ہی ہیں۔ ہم اسے اپنے پاس رکھنے یا دوسرے کو دینے والے کون ہوتے ہیں وہ تو اسلام کی مشترکہ وراثت ہے (چیرز)"

جذبات مذہبی اور وزرا کے وعدے

اے خواتین و حضرات!

اب میں آپ کو دیر تک روک رکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ کو ہمارے نقطۂ نگاہ سے دیکھئے! یہ عہدنامہ ہمارے لئے ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے۔ یاد رکھئے! کہ دنیا بھر کی مختلف اطراف و اکناف ہندوستان، ترکی، الجیریا، مراکو، ایشیائے کوچک، مصر، وسط ایشیا، وغیرہ میں تیس کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ جن کے مذہبی فرائض اور ذمہ داریوں کو اس عہد نامے کے ذریعہ سے پامال کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہم سے نہایت صاف اور واضح وعدے کئے گئے ہیں جن کا احترام آپ پر اور انگلستان پر فرض ہے۔ اگر آج ان وعدوں سے اغماض کیا گیا۔ تو آپ

لوگ جو بینکوں کا کاروبار کرنے والی قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور یہاں آج رات بینکوں کے نمائندے بھی کافی موجود ہیں (قہقہہ) یاد رکھئے گا کہ ایک واپس شدہ چیک دوسری دفعہ منظور نہیں کیا جا سکتا (چیرز) ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم نے انگلستان یا فرانس کے لئے جو کچھ کیا، اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ لیکن میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں، کہ اگر ہندوستانی سپاہیوں کو یہ معلوم ہوتا کہ فرانس اور انگلستان کے تحفظ، وعراق عرب و فلسطین کی ان فتوحات کے بعد جو برطانی نہیں بلکہ ہندوستانی فتوحات تھیں (چیرز) ایک ایسا معاہدہ کیا جائے گا اور ان کی شاندار فتوحات کا یہ نتیجہ نکلے گا۔ تو وہ اکتوبر ۱۹۱۴ء کے تاریک ترین زمانے میں کبھی ان لوگوں کی اعانت کے لئے یہاں نہ آتے۔ (بلند چیرز) سوال یہ ہے کہ کیا آپ لوگ پرانی روایات کی جگہ نئی روایات پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ کیا انسانی ضمیر کے تحفظ کی بجائے اس پر حملہ کرنے کی روایات کو قائم کرنا مقصود ہے؟ (نہیں نہیں کی آوازیں) کیا ایفائے عہد کی جگہ وعدہ شکنی کا عقیدہ پھیلانا منظور ہے؟ (نہیں نہیں) اگر تم یہی چاہتے ہو، تو یوں ہی سہی، لیکن یاد رکھو کہ ممکن ہے کہ جرمنی زیادہ دیر تک باعث خطر نہ رہے مگر جب تک آدمی آدمی ہے اور شیطان شیطان اس وقت تک کوئی نہ کوئی طاقت انسانی آزادی کے لئے موجب خطر ہی رہے گی۔ لیکن جب تمھاری آزادی کو خطرے میں ڈالا جائے جس طرح آج تم نے ٹرکی اور اسلام کی آزادی پر حملہ کیا ہے، تو ہندوستان کو یہاں آنے کی دعوت نہ دینا کیونکہ یہ کام بہت سی تضیع محنت کا باعث ہوگا (چیرز)+

ہندوستانی فوجوں نے لڑنے سے انکار کردیا

حال ہی میں سُنا گیا ہے کہ ایران میں ہندوستانی فوجوں نے لڑنے سے انکار کردیا دارالعوام میں اس کے متعلق استفسار کیا گیا۔ جواب میں کہا گیا کہ ہمیں سرکاری طور پر تو کوئی اطلاع نہیں پہونچی۔ لیکن غالباً یہ خبر غلط ہے۔ اگلے دن گلاسگو کی انجمن صلح اور اس کے بعد سکاربرو کے حزب العمال کی مجلس میں بھی میں نے کہا تھا اور آج آپ حضرات کے روبرو بھی اس کا اعادہ کرتا ہوں، گو آج تو خبر غالباً غلط ہی ہوگی، لیکن کل کو غالباً درست نکل آئے۔ (جیرز)

لائڈ جارج اور وینزیلوس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی

شاید اس پر آپ یہ کہیں کہ اِس بات کا فرانس سے کیا واسطہ؟ لیکن کیا آپ کے لئے یہ امر باعثِ شرم نہیں، کہ آپ لوگ جرمنی کے مقابلہ میں اِس قدر استواری اور شان وشوکت کے ساتھ اپنے حقوق کا تحفظ کرنے کے بعد اب مسٹر لائڈ جارج اور اس کریٹ کے رہنے والے موسیو وینزیلوس کی دُم کے ساتھ بندھے ہوئے اپنے ارادے اپنی روایات اور اپنے اغراض ومقاصد کے خلاف کھنچے چلے جا رہے ہیں؟ (جیرز)

ایک دلچسپ کہانی

ایک صاحب پر شادی کا وعدہ ایفا نہ کرنے کے جرم میں مقدمہ دائر ہوا۔ مقدمہ بہت دلچسپ تھا مستغاث علیہ نے مدافعت کی خوب تیاریاں کیں، بہترین وکلاء

پیروی کے لئے بلائے گئے، روپیہ پانی کی طرح صرف کیا گیا۔ آخر کار ان صاحب نے مقدمہ جیت لیا۔ لیکن اس کے بعد نوجوان خاتون جذباتِ عشق سے بہت متاثر ہوئی اور فتمند نوجوان کو خط لکھا کہ "میں نے تمھارے خلاف حصولِ زر کے لئے مقدمہ نہیں دائر کیا تھا۔ بلکہ وجہ یہ تھی کہ تم میرا دل اڑالے گئے تھے اور میں اس کے عوض میں تمھارا دل لینا چاہتی تھی (قہقہہ) چنانچہ وہ صاحب فوراً رجسٹری آفس میں گئے اور اس خاتون کے ساتھ شادی کرلی (قہقہہ) حالانکہ اگر انھیں بالآخر شادی ہی کرنی تھی تو پہلے ہی کرلیتے کہ مقدمہ کی کشاکش اور اخراجات سے تو محفوظ رہتے۔ اسی طرح شاید آپ حضرات بھی اس سے زیادہ ارزاں شرائط پر جرمنی کی صلح خرید سکتے تھے (مسلسل چیرز) +

آپ حضرات کو معلوم ہو چکا ہے کہ جو عہد نامہ ترکی سفرا کے حوالے کیا گیا ہے، اس سے وہ لوگ ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے جن کی نمائندگی کا دعوئے ہندوستانی وفدِ خلافت کو حاصل ہے۔ صرف سات کروڑ مسلمانانِ ہند ہی نہیں بلکہ ان کے ہموطن ہندو اور پارسی بھی اس معاہدہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں لیکن اس حقیقت سے قطع نظر کرکے مجھے یہ کہنے میں بھی تامل نہیں ہے کہ اگر باشندگانِ فرانس اس عہدنامہ کی شرائط کو فرانسیسی نقطۂ خیال سے مشاہدہ کریں تو وہ بھی ہماری ہی طرح اُسے نامنظور کریں گے (چیرز) کیونکہ اگر عہد نامے کی شرائط کا نفاذ ہو گیا تو اس سے نہ صرف سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بلکہ لازماً فرانس بھی گر کر درجۂ سوم کی سلطنت رہ جائے گا۔ (چیرز) یہ معاہدہ نہایت بُرا ہے، لیکن اس کی پشت پر اور خفیہ معاہدے اور سمجھوتے موجود ہیں۔ ان سے کتنے اشخاص واقف ہیں؟

اتحادیوں اور ترکوں کے درمیان جنگ

ایک نہایت ممتاز جرنیل نے مجھے بتایا ہے کہ اس معاہدہ کی شرائط کی تعمیل کرانے کے لئے تین لاکھ آدمیوں کو دو سال تک مصروفِ پیکار رہنے کی ضرورت ہے اور ہم اس مہم کے آغاز کو دیکھ رہے ہیں۔ مسٹر لائڈ جارج نے حال میں اعلان کیا ہے کہ "دول متحدہ نے ترکی محبانِ وطن کے خلاف جنگ برپا کرنے کی منظوری دیدی ہے۔ لیکن حالتِ موجودہ میں وہاں بھیجنے کے لئے کوئی برطانی فوج نہیں ہے یہ سب کچھ اس لئے نہیں کہ مصطفےٰ کمال پاشا کی ہنگامی صلح کی یادگار منافی مقصود ہے (قہقہہ) بلکہ مسٹر لائڈ جارج نے اپنے دوست موسیو وینزیلاس کو ایک قسم کی ٹھکیداری عطا کی ہے۔ (قہقہہ) +

سب سے منصفانہ صلح ہونی چاہئے

وفد خلافت کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ سب سے منصفانہ صلح کی جائے۔ (چیرز) یونانیوں، ارمنوں اور نیز ترکوں کو اُن کے حقوق منصفانہ ملنے چاہئیں لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ جرمنی کی مردہ شہنشاہیت کی جگہ انگریزوں اور یونانیوں کی جدید شہنشاہیت برسراقتدار ہو۔ اور موسیو وینزیلوس اسی طرح اپنی تلوار چمکائے۔ جس طرح قیصر معزول چمکایا کرتا تھا (چیرز) +

غریب آرمینیا کا انجام

آخر میں آپ حضرات سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ ایک منصفانہ اور مستقل صلح کے لئے کوشش کریں اور شہنشاہیت کے دلدادہ سازشیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی نہ بن جائیں (چیئرز) آرمینیا کا انجام بین الاقوامی اخلاق کی آسودگی کا نشان ہے۔

پہلے تو ارمنوں کے قتل عام کے شور وغل سے تمام یورپ گونج اُٹھا، اور ترکوں کے خلاف سب کے جذبات برانگیختہ ہوگئے۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ انگلستان نے تو چاہا کہ، قسطنطنیہ، عراق، عرب اور فلسطین میں ترکوں کا جانشین بن جائے، لیکن غریب آرمینیا ولادت کے تحفہ کی طرح ڈاک کے ذریعہ سے پریسیڈنٹ فرانس کی خدمت میں بھیجدیا گیا ہے (قہقہہ اور چیئرز)۔

ناکام واپسی

ہمرہِ شوق و امید آمدہ بودیم ہمہ جا ہمرہِ حسرت و حرماں رفتیم

محمد علی امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ یورپ وفد لے کر گئے تھے، مقصود یہ نہیں تھا کہ وہ " دیارِ فرنگ " کی سیر کریں، مقصود یہ تھا، کہ وہاں کی رائے عامہ کے ساتھ وہاں کے اربابِ سیاست کے سامنے، وہاں کے حکام و عمال کے سامنے، وہاں کے وزراء اور مدبرین کے سامنے مسلمانانِ ہند کے جذبات و حسیات پیش کریں، انھیں بتا سکیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں، اور انھیں کیا کرنا چاہئے؟

آٹھ مہینہ تک محمد علی یورپ میں مقیم رہے، وہ شہر شہر گھومے انھوں نے ان گنت تقریریں کیں، متعدد مقالات لکھے، وزیروں اور مدبروں سے ملاقاتیں کیں، لیکن وہ صلیب کو ہلال کا دوست نہ بنا سکے، عیسائیت کو اسلام کا ہمدرد نہ بنا سکے، استعمار کو مجبوروں اور بے نواؤں کی سرپرستی پر مائل نہ کر سکے۔

اب وہ واپس آگئے ہیں، اور اپنے تاثرات قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

(مُرَتِّب)

انگلستان سے واپسی: بمبئی میں ۶ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء کو سب سے پہلی تقریر!

حضرات!

آپ نے وفد کے متعلق جو کام تجویز فرمایا تھا، اُسے ہم نے ہر ایک جائز طریقے سے انجام دیا۔ متحدہ ہندوستان نے سلطنتِ آلِ عثمان کا جو مسئلہ جو پیام دولِ یورپ تک پہنچانے کا فرض ہمارے سپرد کیا تھا، ہم نے اسے آپ کی خواہش کے بموجب اُن تک پہنچا دیا۔ ہمارے اختیار میں یہ بات تو نہ تھی، کہ صلح کی کانفرنس کے فرامین کو ہم درہم برہم کر دیتے یا بہ جبر اپنی بات منوا لیتے۔ لیکن وفد کے سپرد جو خدمت کی گئی تھی اُسے ہم نے نہایت ایمان داری اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔

غرضداشتیں تحریر میں بھی ہو سکتی تھیں، لیکن اس طریق سے ہم یورپ کے جمہور تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ افسوس ہے کہ انگریزی اخبارات اِس معاملے میں غیر جانب دار نہیں۔ وہ اپنے مُلکی اُمور کے متعلق تو بڑے بڑے مقالے سُپردِ قلم کرتے ہیں، مگر ہندوستان کے حق میں کچھ بھی نہیں لکھتے، اور اگر لکھتے بھی ہیں تو وہ ان کے اغراض پر مبنی ہوتا ہے، اِس لئے انگلستان کے جمہوریہ کو ہندوستان کے جذبات کے بارے میں جو تحریکِ خلافت سے متعلق پیدا ہوئے ہیں بالکل تاریکی میں رکھا جاتا ہے۔ میں نہایت افسوس سے اعتراف کرتا ہوں کہ خلافت کے بارے میں دنیائے اسلام پر جو ظلم توڑا گیا ہے اس کے ذمّہ دار محض مسٹر لائڈ جارج ہیں۔ فرانس اور اطالیہ جن پر مسلمانانِ ہند کو کوئی دعویٰ نہیں۔ ٹرکی کے حق میں مائل تھے۔ مگر ساتھ ہی اس قدر مجبور تھے، کہ مسٹر لائڈ جارج کی مخالفت کر کے مسلمانان

ہند کے جذبات برطانی مدبروں کے سامنے پیش نہ کر سکتے تھے۔
میں نے ہر طرح سے احتیاط کر لی تھی کہ کوئی دھمکی استعمال نہ کی جائے۔ کیونکہ وفد کی غرض و غایت امن و مصالحت کی تھی۔ ہندوستان دھمکی دینا نہ چاہتا تھا۔ بلکہ انگلستان کو تنبیہ کرنا چاہتا تھا۔ کہ وہ اس ظلم کی تلافی کرے۔ جو مسئلہ خلافت میں لاکھوں مسلمانانِ ہند پر توڑا گیا ہے۔ ہندوستان کو اپنے اندرونی امن و امان کی انگلستان سے بڑھ کر فکر ہے، اگر یہاں فساد اور بدامنی ہو تو اس سے ہندوستان کو نقصان پہونچے گا، نہ کہ مسٹر لائڈ جارج یا کسی اور برطانی مدبر کو۔

موجودہ حالت پر ایک نظرِ غائر ڈال کر میں اس صریح نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام کی آزادی کے لئے ہندوستان کی آزادی قطعی ضروری ہے۔ ہندوستان کے غلام دوسری قوموں کی آزادی سلب کرنے یا انھیں حلقہ بگوش بنانے میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس لئے میں مسلمانانِ ہند کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں، کہ اگر وہ اسلام کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں، تو انھیں اپنے برادران "ہنود" کے ساتھ مل جانا چاہئے۔ میں ہندوؤں سے بھی یہ کہتا ہوں، کہ اگر آپ خود مختاری اور آزادی کے خواہاں ہیں، تو اپنے مسلم ہمسایوں سے عدم تعاون میں شریک ہوں ؛

وفدِ خلافت کی کہانی

"سنائی کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے!"

بمبئی کی تقریر مختصر تھی، لاہور میں محمد علی نے تفصیل کے ساتھ وفد خلافت کی کارگزاریوں پر روشنی ڈالی، اور بتایا کہ وفد نے یورپ میں کیا کیا کارنامے انجام دیئے۔ کس کس طرح نہ سننے والوں کے کانوں تک اپنی آوازِ حق پہونچائی، اور اس راستہ میں کیا کیا دشواریاں پیش آئیں، کہانی تلخ بھی ہے اور پرلطف بھی۔ "کلام جوہر" کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی۔

"مُرتّب"

۲ر اکتوبر ۱۹۲۰ء لاہور کا عظیم الشان جلسہ

"میری آواز ہندوستان آنے کے بعد مسلسل تقریریں کرتے کرتے بالکل پڑ گئی ہے، یہ گلا بغیر پھانسی کے اچھا نہ ہوگا۔ (اللہ اکبر) اگر آپ چاہتے ہیں کہ میری آواز آپ تک پہنچے، تو آپ یہ خیال رکھئے کہ آپ کی آواز مجھ تک نہ پہنچنے پائے۔

میرا ابھی پنجاب میں آنے کا ارادہ نہ تھا۔ لیکن ایک خاص کام کے لئے آنا پڑا۔

جو وفدِ خلافت آپ نے امرت سر سے مرتب کر کے انگلستان بھیجا تھا۔ اس کے حالات مختصراً عرض کروں گا۔ جو پیغام آپ نے انگلستان کی قوم اور حکومت کو اور ان کی شریک حکومتوں کو بھیجا تھا، وہ ہم نے بلاکم و کاست پہنچا دیا۔ ہمارا فرض یہ تھا کہ ہم ان لوگوں کو بتا دیں کہ مسلمانوں کی مذہبی پابندیاں کیا ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جذبات مسئلہ خلافت کے متعلق کیا ہیں، اور ہندوستان کا مطالبہ خلافت اور جزیرۃ العرب کی نسبت کیا ہے؟ میرا یہ فرض تھا کہ میں انگلستان والوں کو بتا دوں، کہ اگر ہمارے مذہبی فرائض کا خیال نہ کیا گیا، تو اس کے نتائج کتنے بُرے ہوں گے۔ ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ اس میں کامیابی نہ ہوگی۔ مہاتما گاندھی جی ابھی آپ کو بتا دیں گے کہ یہ گورنمنٹ کس قدر دغاباز، مکار اور فریبی ہے۔ یہ ہمیں سب کچھ معلوم تھا لیکن صرف اتمامِ حجت باقی تھا، تاکہ کوئی کل کو یہ نہ کہے کہ تم نے حکومت سے سختی کے ساتھ مطالبات کئے نرمی سے نہیں مانگا۔

ہم نے منت سماجت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، ہماری نرمی کے وزیر ہند اور وزیر اعظم تک قائل ہیں۔ ان سے میری جو خط و کتابت ہوئی، یا پرائیوٹ ملاقاتیں ہوئیں، ان کے حالات جب میں شائع کروں گا، تو آپ کو معلوم ہو جائے گا، کہ ہم نے کس قدر نرمی اور سچائی کے ساتھ ان لوگوں کے سامنے اپنے مطالبات پیش کئے۔

ہم نے ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ بتا دیا۔ کہ اگر آپ نے ہمارے خاطر خواہ فیصلہ نہ کیا، تو وہ ہندوستان جس کی وجہ سے آپ دنیا میں بہت بڑے بنے بیٹھے ہیں دفادار نہیں رہے گا مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ "جب تک ہمارے مذہبی احکام میں کسی

قسم کا خلل نہ پڑے، اسی وقت تک ہم کسی دنیاوی حکومت کا حکم مان سکتے ہیں۔

لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق

کوئی ہو۔ بادشاہ ہو، حاکم ہو، خود خلیفہ ہو، ہم اس کے کسی ایسے حکم کو نہ مانیں گے جس میں خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی ہو۔ جب تک کوئی مسلمان، مسلمان ہے وہ یہی کہے گا کہ ہمارے یہ مطالبات پورے نہ کئے گئے تو ہم بشرطِ طاقت جہاد کریں گے، ورنہ اس ملک سے ہجرت کر جائیں گے۔

وزیر اعظم نے ہم سے کہا، کہ اگر ہم تھریس اور سمرنا تمہیں دیدیں اور جزیرۃ العرب پر اپنی حکمبرداری قائم رکھیں، تو کیا تم رضامند ہو جاؤ گے؟ لیکن ہمارے وفد کے ایک ایک رکن نے صاف کہہ دیا، کہ "اگر ساری دنیا کی بادشاہت ہمیں دے دو اور ہماری ارضِ مقدس کے ایک انچ پر تم حکومت کرنا چاہو تو ہم ہجرت کریں گے یا جہاد"

اگرچہ انگریزی اخبارات میں ہمارے خلاف مضامین لکھے گئے اور کہا گیا، کہ "گورنمنٹ کب تک محمد علی کو آزاد رکھے گی، یہ ہر طرف غلط بیانیاں کرتا پھرتا ہے" لیکن میں آج خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ "ترکوں کے ساتھ جو بے انصافی ہوئی ہے اس میں سب سے زیادہ قصور انگلستان کا ہے" تمام ایسے معاملات میں، انگلستان کی قوم نے جو غفلت برتی ہے، اس پر میں حیران تھا، کہ جس قوم کو تینتیس کروڑ ہندوستانیوں کی حکومت سپرد ہے وہ ان کے جذبات و خیالات سے اس قدر بےخبر ہے۔ فرانس نے ہماری بات سنی، لیکن انگلستان نے نہ سُنی۔ وہ صلحنامہ فرانس کی گورنمنٹ کے اغراض کے خلاف تھا۔ ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ یہ صلحنامہ واپس لے لیا جائے گا۔ اور اس سے بہتر صلحنامہ وضع کیا جائے گا۔ ہم نے عید الفطر پر بادشاہ

کو ایک شکریہ کا تار بھیجا اور ایک آپ لوگوں کے پاس ارسال کیا۔ لیکن بعد میں یہ بات بھی غلط ثابت ہوئی۔ جب وزیر فرانس اور وزیر انگلستان کی باہمی گفتگو ہوئی ہے، تو حکم دیا گیا، کہ سب یونانیوں کی مدد کریں۔ اور ترکوں کے خلاف لڑیں یہ تمام کارروائی انگلستان کی تھی، اٹلی نے بھی یہ کہہ دیا تھا کہ نہ ہم چندہ جنگ میں ایک پیسہ دیں گے نہ آدمی دیں گے۔

ہمارا ارادہ یورپ میں تین چار ماہ سے زیادہ ٹھہرنے کا نہ تھا، لیکن ہم نے آٹھ مہینے صرف کر دیئے، اٹلی گئے، فرانس گئے، سب جگہ پھرے، لیکن جو سبق ہم نے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ، بھائیو! خواہ معاملہ خلافت کا ہو یا پنجاب کا یا سوراج کا تم کو انگلستان کی کسی جماعت پر بھروسہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ اوپر خدا پر بھروسہ رکھو اور نیچے خود اپنے اوپر۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ اگر تمھارے دل میں صرف اسلام کی ہی محبت ہے اور تم وطن کی محبت سے خالی ہو اور اپنے ہمسایہ بھائیوں سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں رکھتے۔ اگر تمھیں ہندوستان سے کچھ سروکار نہیں، صرف حرمین بیت المقدس اور عرب کی حکومت کا فروں سے واپس لینی ہے تو پہلے ہندوستان کو سوراج دلا دو۔ کیونکہ دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں انگلستان یا فرانس یا اٹلی اپنی فوجیں بھیج سکیں۔ ایک انگریز بھی کہیں جانے کو تیار نہیں۔ بلکہ سب انگریز ان مصارف پر ناراض ہیں، جو ایشیا میں کئے جا رہے ہیں، اب بھی صرف ہندوستان کی غلام فوج ہی وہاں بھیجی جاتی ہے کہ دوسروں کو غلام بنائے۔

جب میں انگلستان میں گیا، تو لندن میں جو پہلی تقریر کی اس میں امرت سر کا ہو

اور گوجرانوالہ کے واقعات بیان کئے۔ مظالم وتکالیف اور تحقیر وتذلیل کے قصے سنائے جس بندے کو خدائے تعالےٰ نے چلنے کے لئے دو ٹانگیں دی تھیں۔ اسے ڈائر نے پیٹ کے بل چلایا۔ لوگوں کو ٹکٹکیاں لگائی گئیں۔ جب کوڑے کھاتے کھاتے بیہوش ہوجاتے تو ٹکٹکی سے اتار کر انھیں ہوش میں لایا جاتا۔ اور پھر ٹکٹکیاں لگائی جاتیں۔ ہماری عورتوں کو بے نقاب کیا جاتا۔ جب یہ سب واقعات میں نے سُنائے تو بعض انگریز بھی اس جلسہ میں تھے جو افسوس کرتے تھے۔ ایک مصری مسلمان بھی شریکِ جلسہ تھا وہ اُٹھا اور کہنے لگا کہ آج دو رکعت دوگانہ شکرادا کروں گا کہ ہندوستان پر یہ مصیبت پڑی میں نے حیران ہوکر پوچھا، کہ حضرت یہ کیوں؟ آپ اپنے بھائیوں کی مصیبت پر خدا کا شکر ادا کریں گے؟

مصری مسلمان نے جواب دیا۔ کہ ہم ساٹھ برس سے دیکھتے ہیں کہ ہم ڈیڑھ کروڑ آدمی تو خیر انگریز کی حکومت کو جلد متزلزل نہیں کرسکتے۔ لیکن حیرانی اِس بات پر ہے کہ ہندوستان میں تینتیس کروڑ اللہ کے بندے مٹھی بھر انگریزوں کی غلامی کرتے ہیں پھر جب ہندوستانی فوجیں ہماری آزادی کو پامال کرنے کے لئے آئیں، تو ہم بہت حیران ہوئے، کہ جس طرح کھیدے کا ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کو گھیر گھیر کر احاطہ میں لاکر قید کراتا ہے، اِسی طرح ہندوستانی جو خود غلام ہیں یہاں آکر ہمیں غلام بناتے ہیں۔ آج جو مظالم کا حال سُنا، اِس سے معلوم ہوگیا، کہ اب ہندوستان آزاد ہوگا۔

مسلمان بھائیو! اگر تم کو اپنے خلیفہ کی عزت برقرار رکھنا ہے اور تم اُس کی آزادی چاہتے ہو، تو تھوڑے ہی ایثار سے کام لو! آج میں نے اخبار میں دیکھا کہ ترک احرار اور مصطفےٰ کمال پاشا پر ترکی معاہدے کا نفاذ نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترک ہمیشہ

لڑتے رہے ہیں، وہ آرام طلبی نہیں جانتے، وہ آزادی کے خواہاں ہیں خواہ کسی طرح ملے ایک تو وہ ہیں جنھوں نے حکومت کو چھوڑا۔ قسطنطنیہ کو چھوڑا۔ محض خدا کے بھروسے پر اپنے اہل وعیال سے علیحدگی اختیار کی۔ ایک تم ہو کہ ابھی پوچھ ہی رہے ہو کہ ہم کالجوں سے بچوں کو اٹھالیں؟ کونسلوں میں جائیں؟ تم آج بھی بحر محرر کرتے ہو اور ان عدالتوں میں جاتے ہو، جہاں سے نہ اسلام کو انصاف ملا نہ پنجاب کو۔

جرمنی میں پانچ برس یونیورسٹیاں بند رہیں۔ اکسفورڈ کی یونیورسٹی بند رہی، وہاں کیا قیامت آگئی۔ تم کہاں کے اتنے بڑے تعلیم کے حامی آگئے۔ کبھی وقت تھا کہ تم تعلیم کی طرف آتے بھی نہ تھے اور آج ایسے محب تعلیم بن رہے ہو کہ خدا اور رسول کو بھی اس کی خاطر قربان کرنے کو تیار ہو۔ یہ وہ شرک ہے جس کے بدلے میں تمھارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ اگر تم اسلام کو آزاد کرالو۔ سوراج حاصل کرو تو تم جہاں چاہو گے اپنی فوجیں بھیجو گے، جہاں تمھاری مرضی نہ ہوگی، وہاں کوئی تمھیں نہ بھیج سکے گا۔ ترکوں اور عربوں کو انگریزوں نے شکست نہیں دی۔ ان کو شکست دینے والے ہندوستانی ہیں۔ ایک طرف تو یہ سورما روتے بسورتے یہاں سے جاتے تھے، اور دوسری طرف وہاں جاکر بہادری دکھاتے تھے۔

میں ہندو اور سکھ بھائیوں سے بھی یہ کہتا ہوں، کہ خلافت اور اسلام کو جلنے دو! اگر تمھیں مسلمان عزیز نہیں۔ وہ ملیچھ ہیں، ناپاک ہیں۔ لیکن اگر تمھیں آریہ ورت اور بھارت ماتا سے محبت ہے تو آس پاس کے ملکوں اور ان پڑوسی سلطنتوں کی آزادی کو بچانے کی کوشش کرو! جنھوں نے کسی نہ کسی طرح اب تک اپنی آزادی برقرار رکھی ہے۔ ورنہ یاد رکھو تمھارے پاؤں کی بیڑی اور بھی بوجھل ہو جائیگی۔

مصر پر انگریزوں نے اس لئے قبضہ نہیں کیا تھا کہ اس سے روپیہ کمایا جائے، بلکہ صرف اس لئے کہ ہندوستان پر حکومت کرنا آسان ہو جائے۔ آج مصر اس بیڑی کو اپنی تلوار سے کاٹ رہا ہے۔ اب وہی بیڑی فلسطین کے پاؤں میں ڈالی جا رہی ہے کہ سویز کا کنارہ انگریزوں کے پاس رہے۔ عراق عرب پر محض اس لئے قبضہ کیا جا رہا ہے کہ ہندوستان پر حکومت برقرار رہے۔ یقیناً کسی دن انگریز یہ بھی کہیں کہ چاند پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ مریخ پر ہمارا اقتدار قائم رہے۔ ایران اور افغانستان کے پاؤں میں بھی اس لئے بیڑی ڈالی جا رہی ہے اور وزیرستان پر بھی اس لئے مظالم و شدائد کئے جا رہے ہیں، کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ باہر سے تمہاری فریاد سن کر آزاد کرانا چاہے، تو نہ آسکے۔ جب تک انگریز اسے پروانۂ راہداری نہ دیں۔

یہاں پنجاب میں پچھلے سال جو کچھ ہوا اس کی خبریں چھ مہینے تک وزیر ہند کے کانوں تک نہیں پہنچیں۔ خدا جانے وہ جھوٹ کہتے ہیں یا ہندوستان کے ذمہ دار لوگ۔ بہرحال میرا ایک جھوٹا ہر طرح سلامت ہے۔

اخبار "مسلم آؤٹ لک" اسلامی دنیا کی کچھ خبریں ہمیں مہیا کر دیا کرتا تھا۔ لیکن اس کا داخلہ ہندوستان میں بند کر دیا گیا۔ "ڈیلی ہیرلڈ" کو اپنے ملک میں تو بند نہیں کر سکے اس کا داخلہ یہاں بند کیا۔ ہندوستان تو جیل خانہ ہے یہاں اخبار پڑھنے کی اجازت نہیں۔ (شیم شیم کے نعرے) شیم شیم کہنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ شیم میرے لئے ہے شیم تمہارے لئے ہے۔ جن کی ماؤں بہنوں کو پنجاب میں بے نقاب کیا گیا۔ لیکن ہم نے اپنی غیرت و حمیت کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ شیم ہمارے لئے ہے جو اس حال کو پہنچنے کے باوجود بھی نہیں گرماتے۔ اگر ان لوگوں نے بے ایمانی کی تو نفع بھی تو کمایا۔ تم بتاؤ کہ،

تم نے وفاداری سے کیا حاصل کیا؟ وفاداری کا صلہ ہرکشن لال سے پوچھو۔ مدن موہن مالوی سے پوچھو! جو بڑے وفادار تھے۔ لیکن آئین سے باہر نہیں ہوئے۔ انھیں کیا ملا؟ مسلمان بہت بڑے وفادار تھے۔ انھیں کیا فائدہ ہوا؟ سکھ وفادار تھے لیکن جب پچھلے دنوں سکھوں کا وفد انگلستان گیا تو اس کے اراکین میرے پاس آکر رویا کرتے تھے کہ ہمارے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے۔ تو میں اُن سے کہا کرتا تھا، کہ

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں
تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم نے بے وفائی کی۔ خود ایک دوسرے کے ساتھ بے وفائی کی۔ ہم اللہ کی دھمکی سے نہیں ڈرتے تھے، سرکاری حکام کی دھمکیوں سے کانپ جاتے تھے۔ جب تم اِس غلامی کی زنجیروں کو کاٹ دوگے، تو تمھارے سب پاپ کٹ جائیں گے۔ جس طرح متعدی مرض کے مریض کو سب سے الگ رکھتے ہیں۔ اِسی طرح تم کو آزادی کی ہوا سے بچایا جاتا ہے۔ کہیں تم بھی آزادی حاصل نہ کرلو۔ جو تمہارے چھڑانے کے لئے آنا چاہے اس کے لئے راستے بند ہیں۔ جو سکھ اور مسلمان سپاہی باہر جاکر لڑے وہ بے دین تھے۔ مسلمانوں کے لئے تو اس وقت بھی وہاں لڑنا حرام تھا اور آج بھی حرام ہے۔ وہ یزید کی فوج کی مانند تھے جو نانا کا کلمہ پڑھتی تھی، اور نواسے کو ذبح کرتی تھی۔ یہی تھے جنھوں نے ۲۸ اگست کو مسجدوں میں خدا سے انگریزوں کی فتح اور خلیفۃ المسلمین کی شکست کی دعائیں مانگیں۔

اگر تم نے عراقِ عرب کو غلام بنالیا (اگرچہ بنا نہ سکوگے، کیونکہ وہاں کے احرار کہتے ہیں کہ ہماری انگریزوں ہی کے ساتھ لڑائی نہیں، ہندوستانیوں کے ساتھ بھی

ہے، اگر فلسطین شام اور مصر کو بھی غلام رکھا، تو سو ڈیڑھ سو برس کے بعد آنے والی نسلیں تم پر لعنت بھیجیں گی۔ اگر اس وقت مہاتما گاندھی سا کوئی اللہ کا بندہ پیدا ہوا، اور ہندوستان میں قومی تحریک شروع ہوئی، تو یاد رکھو کہ تمہارا سر کچلنے کے لئے عراق عرب، شام، فلسطین سے غلام لائے جائیں گے۔

امرتسر کے سکھ بھائیوں کا جوش دیکھ کر مجھے کہنا پڑا کہ اپنا جوش اس قدر دریا دلی سے خرچ نہ کرو۔ ہمیں اتنا بڑا شعلہ نہیں چاہئے جو ایک ہی دفعہ بھڑک کر بجھ جائے ہمیں تو وہ ٹمٹماتا ہوا چراغ چاہئے جو ساری اندھیری رات میں روشنی دے تا وقتیکہ سُوراج کا آفتاب طلوع نہ ہو جائے۔ قاتلوں۔ سفاکوں۔ بیدینوں کی طرف سے تلوار اُٹھے۔ تم ہاتھ نہ اٹھاؤ جس وقت تلوار چلانے کا وقت آئے گا تو میری تلوار سب سے پہلے کافر کی گردن پر پڑے گی۔ (اللہ اکبر کے نعرے) ہجرت کے لئے لوگوں نے بہت جلدی کی۔ ابھی اس کا موقع نہ تھا۔ ابھی ترکِ موالات کرو۔ پنجاب کے تومند اور مضبوط لوگوں کو دیکھ کر مجھے حیرانی ہے کہ تم اتنی سی بات نہیں کر سکتے۔ اگر ہمارے دلوں میں نفرت و حقارت کے خیالات ہوں تو ڈائر اور اوڈوائر کیا ہیں۔ بڑے بڑے نمرود و فرعون بھی دبا نہیں سکتے۔ اگر بچے ناراض ہو جائیں انھیں مٹھائی دی جائے، تو نہیں لیتے عورتیں رُوٹھ جاتی ہیں تو عمر بھر نہیں منتیں۔ جو کام عورتیں اور بچے کر رہے ہیں، کیا وہ پنجاب کے توانا مرد نہیں کر سکتے؟

ان کے سکولوں میں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ بادشاہ کو مانو خدا کو نہ مانو۔ حالانکہ انھوں نے بادشاہ کو یہ حیثیت دے رکھی ہے کہ ایک لارڈ میر کو جیل سے نہیں چھڑا سکتا۔ یاد رکھو! سونے کے تھال میں بھوجن آتا ہے لیکن ان ہاتھوں سے آتا ہے جنھوں نے عورتوں کو

بے نقاب کیا اور بچوں کو بید لگائے۔

ڈی اے وی کالج کو کوئی زرِ امداد نہیں ملتا۔ صرف یونیورسٹی سے اس کا الحاق ہے، کیا تم میں اتنی قابلیت نہیں کہ اسکولوں میں امتحان لے سکو، اور معائنہ کر سکو۔ عدالتوں میں سوائے ظلم کے تمھیں کیا ملا؟ شاستری کونسل میں کیا ملا؟ اعتدال پسند رہے، وفاداری کا اظہار کیا۔ گاندھی اور مالوی کو ناراض کیا۔ لیکن ایک قرارداد پنجاب کے متعلق پیش کرنی چاہی، جواب ملا کہ بھول جاؤ۔ اگر کوئی ڈاکو تمھارا سب کچھ لے جانا چاہے، اور تم کہو کہ اس میں سے تھوڑی سی شے دیدو تو نامردی اور بے غیرتی کی بات ہے۔ اگر تمھارے دیس کی آزادی کی یہی قیمت ہے کہ تم وکالت نہیں چھوڑ سکتے اور عدالتوں میں جا کر لارڈ شپ یور وشپ کہنے کا شوق ہے، تو پھر حبّ وطن وغیرہ کے دعوے چھوڑ دو۔ نہیں تو لوگ تمھارے مُنہ پر تھوکیں گے۔ ہم بیرسٹروں، وکیلوں سے، کونسل کے سورماؤں سے۔ کالج کے ٹرسٹیوں سے کہتے ہیں کہ وہ تمام اپنی اپنی مصروفیتیں چھوڑ دیں۔ موکلیں وکیلوں کو چھوڑ دیں۔ رائے دہندگان کونسل کے امیدواروں کو چھوڑ دیں۔ طلبہ کالج اسکول چھوڑ دیں تم کو لیڈروں کی کیا ضرورت ہے۔ لیڈر کبھی ہمارے کام نہیں آئے۔ تم کسی کی غلامی نہ کرو، صرف خدا کی غلامی کرو! تم کیوں کسی کے دروازے پر جاتے ہو؟ ایک شاعر نے ایک شعر کہا ہے، جسے میں ہر روز پڑھتا ہوں۔

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی ✦ جس کو ہو دین و دل عزیز اُسکی گلی میں جائے کیوں

اگر تم عدم تعاون نہیں کر سکتے تو لعنت ہو تم پر اور ہم پر۔ مولوی ظفر علی خاں کو بہت بڑا مرتبہ ملا ہے۔ میں ان کے عزیزوں کو اس کے لئے مبارک دیتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ خدا ہمیں مولوی صاحب موصوف سے جلد ملائے ✦

سکھوں سے خطاب

صبر و ضبط اور عزم و استقامت کی تلقین

"یہ تقریر بھی لاہور میں ہوئی۔ مجمع تمام تر سکھوں کا تھا۔
خطیب کا خاص کمال یہ ہے کہ وہ ہر مجمع میں اس کی مناسبت سے
اپنے خیالات پیش کرتا ہے، یہ سکھوں کا ہندوستان کی
تلوار کا ——— مجمع تھا۔ یہاں ضرورت اِسی کی تھی کہ صبر و ضبط کی
تلقین کی جائے، ورنہ ان بہادروں کا جوش قابو میں رہ سکتا تھا؟
"مُرتّب"

۲۰ / اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء لاہور

میرے خالصہ بھائیو اور بہنو!

میں اسی وقت کی گاڑی سے مہاتما گاندھی اور اپنے بھائی کے ساتھ بھوانی کانفرنس جا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ سکھ بھائیوں کے سامنے کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت بھی نہیں۔ آپ کے جوش کو اُبھارنا نہیں ہے۔ آپ کے جوش کو تو سنبھال کر جیب میں رکھنا چاہیے۔ میں بھی سیورام سنگھ کی طرح انگلستان میں بھکاری بن کر گیا تھا، مجھے بھی جواب

صاف لا اور انھیں بھی۔ لیکن یہ خدا کی مرضی ہے کہ وہ "نرمل ورتن" کے مخالف ہیں، اور میں "مل ورتن" کے برخلاف ہوں۔ کوئی قوم خواہ ہندو ہو یا مسلمان یا سکھ اُسے چاہئے کہ اوپر خدا پر بھروسہ رکھے اور نیچے اپنے آپ پر۔ انگریزوں کو تو ظلم کی چاٹ لگ گئی ہے۔ انھوں نے اَمرت سر۔ گوجرانوالہ اور دیگر مقامات پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے۔ اب آئندہ ایسے ظلم کا سدِ باب ہونا چاہئے۔

تمھاری بہادری دنیا میں مشہور ہے، لیکن اِس بہادری سے تمھارے ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ یورپ والے تمھیں کھیدے کا ہاتھی کہتے ہیں۔ کھیدے کے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر پڑ جاتی ہے تو وہ اپنے دوسرے بھائی ہاتھیوں کو گھیر گھیر کر احاطہ میں لاتا ہے اور گرفتار کراتا ہے۔ مصر میں ہندوستانیوں کو کافی پینے کی اجازت نہ ملی۔ مصریوں نے کہہ دیا کہ تم ہمارے دشمن ہو، ہم تمھیں کافی نہیں پلا سکتے ✦

آخری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ، جو کچھ تم نے تاریخوں میں پڑھا وہ سب سچ مسلمانوں نے تم پر ظلم کیا، وہ سب سچ۔ تم نے مسلمانوں پر سختی کی کچھ پروا نہیں تم اس ظلم کا بدلا ہم سے لے لو۔ میرا گلا کاٹ لو! میرے بھائی کی جان لے لو! مسلمانوں کی جانیں حاضر ہیں۔ اگر اس قربانی سے ہمارے دلوں کے مَیل دور ہو جائیں۔ اور ہم سوراج حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، تو یہ سودا بہت سستا ہے ✦

(ست سری کال کے نعرے)

ہنگامِ عمل

ترکِ موالات، مقاطعہ اور جذبۂ کار کا دور

یہ بڑا طوفانی دور ہے۔ ہندوستان کا بچہ بچہ نشۂ حریت سے چور، جذبۂ آزادی سے مخمور، منزل استقلال کی طرف قدم بڑھائے چلا جا رہا ہے۔ نہ جیل کی دہشت نہ پھانسی کا ڈر، نہ پولیس کے ڈنڈے کا خوف، نہ تباہی و بربادی سے ہراس۔

محمد علی ایک شہنشاہ کی طرح، ایک کشور کشا کی طرح، ایک زبردست فاتح کی طرح، طول و عرض ہند کا دورہ کر رہا ہے۔ وہ جہاں پہونچتا ہے کالجوں مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں تالے لگ جاتے ہیں۔ عدالتیں سنسان اور ویران ہو جاتی ہیں۔ طلبہ قوم کے رضا کار بن جاتے ہیں۔ لاکھوں روپے کمانے والے وکیل اور بیرسٹر قوم کے سپاہی بن جاتے ہیں۔ اب نہ فیس کی طلب ہے نہ علم کا سودا۔ صرف ایک جذبہ ہے جو سب کو کشاں کشاں لے جا رہا ہے، کارواں چل رہا ہے۔ انجام سے بے خبر مستقبل سے بے پروا، تعمیر کا دشمن، تخریب کا دوست۔

قومیں جب انقلاب کے دورسے گزرتی ہیں، تو ہمیشہ یہی ہوتا ہے. ہندوستان کے نامکمل انقلاب میں بھی یہی کیفیت پیش آئی
"مُرَتّب"

۲۵ جنوری سنہ ۱۹۲۱ء کلکتہ

اولاً میں اپنی درشتی زبان کا معافی خواہ ہوں، جو میرے دوست کرنل ویجوڈ کی زین منت ہو۔ میں نے اگر سختی الفاظ کا مظاہرہ کیا ہے تو کرنل موصوف یا حکومت سے زیادہ خود اپنے بھائیوں کو سختی سے مخاطب کیا ہے اگر میری درشتی الفاظ طلبہ کو کالج سے باہر نکالنے میں ذرہ بھر بھی کامیاب ہو تو میں اپنی اِس درشت کلامی پر آفرین کہتا ہوں.

میں اس سے قبل جب کلکتہ آیا تو اگرچہ مسٹر داس سے ملاقات نہ کرسکا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ بھگت اور فقیر ہیں. اگرچہ عیش و تنعّم میں ان کی پرورش ہوئی ہے، لیکن وہ عیش کے بندے نہیں ہیں۔ پھر میں نے ناگپور میں ان سے ملاقات کی. اگر خدا کے فضل سے ایک سال میں ہمیں سوراج مل گیا. اور اس کی تاریخ لکھی گئی تو میں بھی ایک مختصر باب کا اضافہ اس میں بہ آسانی کرسکتا ہوں، میں اس باب دکھاؤں گا کہ کس کس طرح میں نے مسٹر داس سے منت ساجت کی کہ خواہ آئندہ کانگریس نصب العین کی تبدیلی میں وہ ہمارے ساتھ شامل نہ ہوں اور تحریک ترکِ موالات کے پیش کرتے وقت ہمارے ہم نوا نہ ہوں، مگر ایک چیز ہے جو بہت ضروری ہے. اس میں وہ ضرور شریک ہوں. میں نے ان سے کہا تھا میں جانتا ہوں آپ فقیر نہیں آپ نے لکھو کھا روپیہ

کمائے ہیں۔ جس آسانی سے آپ نے کمایا، آپ نے اسی آسانی سے اس کو تقسیم کر دیا۔

مجھ کو معلوم ہے کہ مسٹر سی آر داس کے دل میں بڑے بڑے مقدمات کی کوئی قدر نہیں۔ لہٰذا ناگپور میں کانگریس کی تبدیلی نصب العین یا تحریکِ ترکِ موالات کے متعلق، میں نے ان سے کچھ نہیں کہا اور جب ہم دونوں باہم بغل گیر ہوئے تو مجھ کو معلوم ہوا، کہ جنگ میں کامیابی حاصل ہوگی۔ اور میں آج دیکھتا ہوں کہ مسٹر داس نے تمام امتعۂ دنیاوی سے دست کشی کر لی اور تمام بنگال میں جوش و خروش پیدا ہو گیا ہے۔

اس کے بعد آپ نے طلباء سے مخاطب ہو کر کہا کہ: میں نے جو کچھ کہا ہے وہ مسٹر داس کے ترکِ دنیا کو دیکھ کر کہا ہے۔ مگر آپ کا فقر بھی مکمل ہونا چاہئے، بلا شبہ جس طرح ہو سکے قومی کالج بنائیے۔ شیکسپیر اور ملٹن کی کتابوں کو پڑھیے۔ علمِ ریاضی کے مسائل کو حل کیجئے۔ مگر میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس کا خیال ہے کہ نہیں؟ کہ کانگریس نے کیا تجویز منظور کی ہے۔ یعنی یہ کہ نہ صرف سوراج ایک برس کے اندر حاصل ہونا چاہئے، بلکہ یہ کہ ایسا ہونا ممکن بھی ہے۔ ساڑھے چودہ ہزار نمائندگانِ قوم نے اِس کانگریس میں مجتمع ہو کر جس سے بڑی کانگریس اس ملک میں کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اور جس میں قوم کی نمائندگی سابقہ کانگریسوں سے بڑھ کر تھی، یہ تجویز منظور کی، کہ سوراج ایک برس کے اندر حاصل ہونا چاہئے۔ انھوں نے اس کا بھی فیصلہ کیا ہے کہ ایسا ہونا ممکن بھی ہے اور اگر ہم لوگ کانگریس کے نظامِ عمل کی اِتباع کریں، تو ایک سال کے اندر ہم اس کو ضرور حاصل کر لیں گے۔ کانگریس نے فیصلہ کیا ہے کہ نہ صرف ایسا ہونا ضروری ہے، بلکہ یہ کہ حتی الامکان ہم تمام ذرائع سے اس کے حصول میں کوشش بلیغ کریں گے۔ لہٰذا میں اِس جماعت کا ساتھ نہ دوں گا

جو کہتی ہے کہ ایک برس میں فوج کی تنظیم و ترتیب بھی نہیں ہو سکتی۔ اسلحہ تک نہیں بن سکتے بم نہیں بنا سکتے اور خفیہ جماعتیں بھی ملک میں جا بجا قائم نہیں کر سکتے تو کس طرح ایک برس کے اندر امن پسندانہ رویہ رکھ کر آپ حیرت انگیز کام کو انجام دے سکتے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہوں کہ ہاں ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ ایک برس کے اندر آزادی حاصل کرنا کوئی حیرت انگیز امر نہیں۔ میرے لئے یہ بات کب تک حیرت انگیز ہے کہ ہم نے ایک سو ستر برسوں تک اس غلامی اور سیاسی محکومیت کو برداشت کر لیا لہٰذا اگر آج ہم کو یہ معلوم ہوا کہ آزادی ہی ایک شے ایسی ہے جو صحیح و معتدل ہے اور آزادی کا فقدان غلط اور غیر معتدل شے ہے۔ تو حیرت کیوں؟

یعنی غیر معتدل شے کا نام غلامی اور تین سو ملین آدمیوں پر مٹھی بھر آدمیوں کی حکومت ہے اور یہ آدمی وہ ہیں جو سات ہزار میل سے براہ تری و خشکی یہاں آئے ہیں

سوراج کا حصول ایک برس کے اندر تو بہت ہے، یہ کام چند مہینوں کا ہے۔ مگر کیوں اور کس طرح؟ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب آپ کے دل میں اور روح میں اپنی آپ عزت کرنے کا وہ درجہ حاصل ہو جائے، تو آپ کے لئے بالکل ناممکن ہوگا کہ غلامی کی اس ناپاک و نجس ہوا میں چند لمحوں کے لئے بھی سانس لے سکیں۔

اور میں کہتا ہوں کہ آپ شکسپیر ملٹن پڑھ کر سوراج حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر آپ اپنی گم شدہ روح حاصل کرنی چاہتے ہیں، اگر اپنے ضمیر کی آواز سننا چاہتے ہیں، تو کیا پھر اس کے بعد آپ خیال کر سکتے ہیں کہ آپ اس گورنمنٹ سے تعلیم پائیں گے جس نے پنجاب کے اسکول کے لڑکوں کو اتنے بید مارے کہ وہ بیہوش ہو گئے اور جب ان کو ہوش آیا تو پھر بید لگائے گئے۔ لہٰذا کیا آپ کا خیال ہے کہ جب گورنمنٹ کا یہ

کردار اور طرزِ عمل ہو، تو کیا وہ واقعی اِس قابل ہے کہ کسی شریف آدمی کے بچے کو اس ملک میں ایک لحظہ کے لئے بھی تعلیم دے؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ آپ کی قومی عزت کے یہ موافق ہے کہ آپ اس جگہ تعلیم پائیں؟ جس کو سرآشوتوش مکرجی کہتے ہیں کہ کلکتہ کی قومی یونیورسٹی ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ پنجاب جایئے، ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھئے جن کو بید لگائی گئی اور ان کا جرم اِس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ ان لوگوں کے بیٹے اور رشتہ دار تھے جو ملک میں لائق ہیں انھوں نے آزادی کا خواب سویرے دیکھا تھا۔ تو حضرات کیا آپ کا خیال ہے کہ ان کالجوں میں تعلیم پانے سے آپ زنجیر غلامی کو کاٹ سکتے ہیں؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ گورنمنٹ جو ابھی تک واقعہ ہائے پنجاب پر نادم نہیں ہے کیا ایسی گورنمنٹ سے ہم کو امید ہو سکتی ہے کہ ہم اس کے ہاتھوں سے دنیا کی بہترین تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ آج بہترین تعلیم یہ ہو سکتی ہے کہ آپ ان سے کہئے کہ ہم یہ تعلیم حاصل نہ کریں گے اور جہاں کہیں آپ رہیں بھی آپ کی تعلیم ہو۔ وہ لڑکے جو اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے بارہ میں، میں کہتا ہوں کہ آپ کبھی بھی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ آپ ایک صدی تک چلّاتے رہیں۔ جو لوگ امتحانوں میں شریک ہونے کے لئے وقت چاہتے ہیں۔ ان کے بارہ میں میں کہتا ہوں کہ نہیں ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں۔ اپنی عزت کا خیال اور اپنی ضمیر کی آواز کبھی اس کی اجازت نہ دے گی کہ وہاں سے ڈگری اور سند حاصل کئے جائیں۔ وہ آدمی جو گورنمنٹ یونیورسٹی سے ۱۹۲۱ء میں ڈگری لے گا۔ تو اس سال کا داغ اس کی پیشانی پر ہمیشہ کے لئے ثبت رہے گا۔ اور آزاد ہندوستان کا سب سے خراب شخص بھی اس کی طرف نفرت سے انگلی اٹھا کر کہے گا کہ یہ وہ آدمی ہے۔ جس کو کامیابی میں شک تھا۔

اس سال جب کہ کامیابی پر ہمارا اٹل اعتماد تھا۔ میرے دستو! اگر ہم ۱۹۲۱
میں سوراج نہ حاصل کر سکے تو ۱۹۲۱ء میں بھی نہ کر سکیں گے۔ مگر میں آپ سے کہتا ہوں
کہ جس وقت ہم ارادہ مصمم کر لیں اور آزادی کے لئے ایثار و قربانی سے دریغ نہ کریں
ہماری روحیں آزاد ہو جائیں گی۔ اور جب ہماری روحیں آزاد ہو جائیں گی تو کیا آپ
خیال کرتے ہیں کہ بروز قیامت خدا کے پاس آپ جائیں گے تو اپنی پیشانیوں پر
کا داغ لگا کر جائیں گے۔ آپ اس پر غور کیجئے۔ آپ اگر اپنے قومی کالج میں تعلیم
کر سکیں تو مجھ کو اس میں کوئی عذر نہیں۔ بلاشک قومی تعلیم حاصل کیجئے۔ ہم کو قومی
کالج کی ضرورت ہے، میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بھی ایک قومی کالج قائم
کیجئے۔

لیکن اب تمھیں کیا کرنا ہے؟ جب کہ تم کالج میں ہو۔ میں تم سے کہتا ہوں،
شکسپیر اور ملٹن تم کو تمہاری آزادی کے حصول میں مدد کرے تو بے شک تم ان
تعلیم جاری رکھو۔ لیکن اگر وہ صبح آزادی کے نمودار کرنے میں ایک لمحہ کے لئے
حائل ہو جائیں تو میں تمھیں کہتا ہوں "پھینک دو اس شکسپیر کو اور دور کرو
اس ملٹن کو۔"

مہاتما گاندھی نے جو کچھ انگریزی میں کہا وہ یہ ہے کہ "ہم باشندگان
آج گورنمنٹ کے ساتھ عدم تعاون کر رہے ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں، کہ
راستوں سے ہندوستان کے خون اقتصادی طریق سے بہائے جاتے ہیں۔ ان میں
دیگر راستوں کے منچسٹر اور لنکاشائر کے کپڑے بھی ایک راہ ہے جس کے ذریعہ
کے خون بہتے ہیں۔ اگر تم اس کے متعلق کچھ جانتے ہو۔ اگر تمہاری یونیورسٹی

تمیں بنگال کی اقتصادی تاریخ کی کچھ تعلیم دی ہے، تو تم کو معلوم ہوگا کہ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی ہی ہے جو موجودہ حکومت کا باپ ہے۔ اِس ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو کچھ کیا وہ تم کو کامل طور پر سوت کے ایک معمولی ٹکڑے سے باندھنا تھا اور جس روز تم لنکا شائر کے اس سوتی ٹکڑے کو کاٹ ڈالو گے سمجھ جاؤ کہ اسی روز تم نے اپنے پیروں کی بیڑیوں کو بھی کاٹ دیا۔

میں کسی قدر پر مذاق انسان ہوں، مجھے سخت ندامت ہوتی ہے جب کوئی شخص ہیریسٹریٹ یا چورنگی سے لکھنا شروع کر دیتا ہے کہ مہاتما گاندھی دنیا میں آئے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہتا کہ عیسیٰ مسیح کے ساتھ آئے ہیں۔ کیونکہ ان کا قول ہے کہ "میں دنیا میں امن لے کر آیا ہوں نہ تلوار"۔ بجائے اس کے مہاتما جی کا قول ہے کہ میں دنیا کے لئے امن لے کر نہیں بلکہ چرخہ لے کر آیا ہوں۔

لیکن اے میرے دوستو! جو اخیر میں ہنستا ہے اس کی ہنسی سب سے بہتر ہے میں اپنی ہنسی کو ۱۹۲۱ء کے لئے مخصوص کر کے اٹھا رکھتا ہوں۔ جب ہم اپنی غلامی کے آخری دنوں کو دیکھیں گے (پُرزور نعرۂ تحسین) میں ایک بنیئے کی طرح اس قسم کے مذاق کو اس دن کے لئے صرف جمع کر رہا ہوں۔ جب کہ نہ صرف کالج کے طلبا بلکہ سر نیلدر ناتھ بزجی چرخہ کاتنے کے لئے بیٹھ جائیں۔

ساٹھ کروڑ روپیہ ہندوستان سے صرف پارچہ جات کی قیمت سے غیر ملک میں درآمد ہوتے ہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اس ساٹھ کروڑ روپیہ سے گورنمنٹ ہمیشہ مالدار بنتی جائے۔ اس کا جواب دو (نعرہ ....نہیں ....نہیں) اِس حالت میں اگر یہ تمہارا حقیقی مقصد ہے تو یقیناً تم کو غیر ملکی کپڑوں سے احتراز کرنا پڑیگا۔

تمھاری عریانی کو دفع کرنے کے لئے یقیناً تم کو سودیشی کپڑا پہننا پڑے گا۔

لیکن تم اس کو کہاں سے حاصل کر سکتے ہو؟ کیا تم اس کو محسوس کرتے ہو، کہ تمہاری عورتوں کی ستر پوشی کے لئے کافی کپڑے نہیں ہیں؟ اس معاملہ میں تم کیا کر رہے ہو؟ تمھارے کارخانے جیسا کہ مہاتماجی نے فرمایا، پچاس سال کے اندر بھی تمھاری ضروریات کے لائق کپڑے فراہم نہیں کر سکتے۔ تم ہندوستان کی عریانی کے انسداد کی کیا ترکیب کر رہے ہو؟ تم کہوگے دستی کرگھوں سے، لیکن تمہارے کرگھوں کے لئے سوت کی ضرورت ہے، اب بتاؤ تم سوت کہاں سے لاؤ گے؟ کیا تمھاری تعلیم نے جو تم اس عظیم الشان "نیشنل کلکتہ یونیورسٹی" میں حاصل کی ہے، جو سر آشوتوش مکرجی کی قائم کردہ ہے۔ اس معمولی مسئلہ کے لئے تمھیں کچھ بتایا ہے؟ تم جرمنی یا بالشویک پر اعتماد کئے بیٹھے ہو یا تم آسمان پر خدا کا بھروسا کرتے ہو اور زمین پر انسان کا؟ میں اب زیادہ وقت تک نہ کسی یورپین طاقت کا غلام رہوں گا نہ کسی ایشیائی طاقت کا۔ میں ترکوں کا غلام نہیں بنوں گا۔ میں اپنی آزادی کے لئے افغانستان کی امداد نہیں قبول کرونگا، میں کسی شخص پر امداد کے لئے نظر نہیں رکھوں گا۔ یہ میرے لئے باعث شرم ہے کہ میں جرمن، بالشویک، جاپان یا ترکوں سے مدد مانگوں۔ اگر تم اپنی آزادی کے طالب ہو، تو تم کو ایسا کام کرنا چاہیئے کہ تم خود اپنے پر بھروسہ کرو۔ کسی قوم نے دوسرے کی امداد سے آزادی نہیں حاصل کی ہے۔ یہ تمھیں ہو جن کو متنبہ ہونا چاہیئے، اور اس کی قربانی کیا ہے؟ کیا تم اب تک اس کو باعث تحقیر سمجھتے ہو کہ تم کو خود سوت نکالنا چاہیئے؟ اگر تم اس پرنالہ کو کاٹ ڈالنا چاہتے ہو۔ اس خطرناک پائپ کو توڑ ڈالنا چاہتے ہو جس کے ذریعہ ساٹھ کروڑ روپیہ تک

ے باہر چلا جاتا ہے کیونکہ یہی چیز ہے جو لنکا شائر سے کپڑوں کی برآمد سے تمھارے ملک ضعیف و غریب کر رہی ہے۔ سّتر فی صد زائد کسان (ملک کا یہ مفلس طبقہ) منچسٹر کے کپڑے استعمال نہیں کرتے ہیں۔ وہ ہاتھ کے بُنے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے سوت کی درآمد کی ضرورت ہے۔ اگر تم اس آلہ کو کاٹ ڈالنا چاہتے ہو تو، ہمارے لئے اس کی ضرورت ہے کہ تم اپنی ماؤں، بہنوں اور بھائیوں اور دوستوں سے کہو کہ وہ سوت کات کے نکالیں۔ اگر تم اس کو کرو گے تو تمھاری آزادی کے دن قریب ہوں گے۔

میں کہتا ہوں کہ چرخہ میرا روپیہ ہے۔ لیکن اگر اب تک تم یہ سوچے ہوئے ہو کہ تعلیم کے حصول ہی سے جیسی تعلیم کہ تم حاصل کر رہے ہو، تم آزادی حاصل کرو گے تو "چشم ما روشن دلِ ما شاد"۔ لیکن اس بارہ میں تم کو خلوص و صداقت اپنی جوانی کی پوری صداقت کے ساتھ سوچنا چاہئے۔ تم کو تمھاری قومی آزادی کا مسئلہ حل کرنا ہے اور یہ غیر ملکی امداد کے بغیر کرنا ہے۔ تو کیا اب بھی تم اس صرف دماغ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس مسئلہ کو حل کر لوگے؟ جب تم آزادی کے لئے کام کرو تو تاریخ کے صفحات پر بھی نظر ڈالو۔

مہاتما گاندھی نے ابھی تم کو زبان کی مشکلات کے متعلق بتایا ہے، کیا یہ باعثِ شرم نہیں ہے کہ وہ لوگ جو آزادی کے خواہاں ہیں آپس میں اپنی زبان میں بات تک نہیں کر سکتے۔ بنگال اور مدراس کے آدمیوں کی گفتگو کی دقّت کو بیان کرتے ہوئے معزز مقرر نے فرمایا کہ

"انگریزی کو حصولِ آزادی کے بعد بھی سیکھنا پڑے گا، تاکہ مساویانہ طریقہ

سے یورپ سے تجارتی تعلق جاری رہ سکے۔ لیکن ملکی معاملات کی انجام دہی کے لئے ان کو اپنی زبان استعمال کرنی ہوگی۔ ہندوستانیوں کو اپنی زبان میں اپنے تخیلات و جذبات کا اظہار کرنا پڑے گا۔ پس ایسا کرنے کے لئے ہر ہندوستانی کو جو ہندوستان کی آزادی کا خیال اپنے دل میں رکھتا ہے، ہندوستانی زبان کی تحصیل کرنی ہوگی۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ہماری مشکلات کی ایک اہم وجہ مالی مسئلہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ اس مشکل کی جانب بھی مبذول کروں۔

حضرات!

آپ کو روپیہ نکالنا ہوگا۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے آپ کتنا چندہ دینا چاہتے ہیں؟ میں اس روپیہ کو صرف نکالنے کے لئے نہیں کہوں گا۔ بلکہ کل یا پرسوں مسٹر سی۔ آر داس کے پاس جمع کر دینے کے لئے کہوں گا۔ وہ روپیہ وہاں محفوظ رہے گا۔

(بندے ماترم کے نعرے)

افغانی ہوّا

برطانوی حکومت اور اس کے کاسہ لیسوں کو جواب

ہندو مسلم اتحاد اوجِ شباب پر تھا۔ محمد علی شوکت علی نے گاندھی سے اتحاد کر کے ایک معجزہ کر دکھایا تھا۔ وہ ہندو جو مسلمانوں کو ملچھ سمجھتے تھے۔ اور وہ مسلمان جو ہندوؤں کو کافر سمجھتے تھے، اس طرح ملے کہ ایک وحدت بن گئے۔ ان دونوں میں ایسا اتحاد ہوا جس کی مثال تاریخ کے کسی دور میں نہیں مل سکتی۔

یہ اتحاد برطانوی حکومت کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ یہ اتحاد مفاد پرستوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت تھا۔ چنانچہ ایک نیا فتنہ کھڑا کیا۔ کہ محمد علی انگریزوں کو ہندوستان سے نکال کر افغانوں کو ہندوستان کا حاکم بنانا چاہتے ہیں۔ وہ شاہ افغانستان سے خط کتابت کر رہے ہیں۔ اور شاہ افغانستان (امیر امان اللہ خاں) ہند پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ فتنہ معمولی لوگوں نے نہیں اٹھایا تھا۔ اس کے بانیوں میں جہاں ایک طرف اینگلو انڈین اخبار پائنیر تھا، وہاں بڑے بڑے ہندو لیڈر بھی تھے۔ مثلاً

پنڈت مدن موہن مالویہ۔ ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو۔ راماسوامی آئنگر
اور اسی قبیل کے دوسرے اصحاب۔

محمد علی کے دل میں شمع حریت روشن تھی، انھوں نے الہ آباد کانفرنس ۱۱ مئی ۱۹۲۱ء کے خطبۂ صدارت میں اس طلسم کو توڑ کر رکھ دیا۔ انھوں نے ایک مسلمان کی طرح صاف اور سیدھے الفاظ میں نہ صرف اپنی بلکہ ہر سچے مسلمان کی پوزیشن واضح کر دی، اور مخالفین کو ایسا دنداں شکن جواب دیا کہ بادل نخواستہ کچھ عرصہ کے لئے اُنھیں سکوت اختیار کرنا پڑا۔ آگے چل کر کچھ عرصہ بعد اس فتنہ نے پھر پنڈت مالویہ کی سرکردگی میں سر اُٹھایا تھا لیکن، محمد علی کے اعلانِ حق کے مقابلے میں اُسے پھر شکست کھانی پڑی۔

"مُرتّب"

الٰہ آباد کانفرنس ۱۱ مئی ۱۹۲۱ء

اب مجھے جگہ جگہ جلسے کرنے پر اعتماد نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان تجاویز پر عمل کریں جو پاس ہو چکی ہیں۔ اور نئی نئی تجاویز منظور کرنے سے پرہیز کریں۔ مگر اس کانفرنس کی اہمیت اس وجہ سے زیادہ ہو گئی ہے کہ یہاں بڑے بڑے لیڈر جمع ہو گئے ہیں اور ہندوستان کے لئے بڑے بڑے اہم فیصلے کئے جا رہے ہیں۔ لارڈ ریڈنگ کی ذمہ داریاں بڑی ہیں مگر بعض ہندوستانی رہنماؤں کی ذمہ داریاں اُن سے بھی اہم ہیں۔ انہیں فیصلہ کرنا ہے کہ آیا وہ برطانیہ کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں۔ یا کامل آزادی کا اعلان کر دینے

ہیں. سلطنتِ برطانیہ اُسی وقت تک دنیا میں سب سے بڑی ہے، جب تک اس کے پاس ہندوستان ہے۔ ہندوستان کا سلطنت سے علیحدہ ہونا ہوگا کہ انگلستان بھی پرتگال یا جرمنی جیسا ہو جائے گا۔

ہمارے اوپر ایک بڑی ذمہ داری ہے وہ یہ کہ اس صداقت کی حمایت کریں جس کا حکم خدا نے دیا ہے۔ انگلستان کی بڑائی اتنی اہمیت نہیں رکھتی، جتنی کہ حق و صداقت کی حمایت۔ سلطنتوں کا برقرار رکھنے والا خدا ہے۔ اور صداقت کی حمایت ہمارا فرض ہے۔ بتیس ۳۲ کروڑ آدمیوں کو آزاد کرانے کی ذمہ داری بہت زبردست ہے جب کہ مہاتما گاندھی کے الفاظ کی عزت اس قدر عام ہے، تو ظاہر ہے کہ ان کی ذمہ داریاں کسی دن بھی لارڈ ریڈنگ سے کم نہیں ہوتیں۔ لارڈ ریڈنگ کی شملہ کی تقریر بہت پرامن تھی۔ مگر یہ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ ہماری تقریریں پُرامن نہیں ہوتیں۔ اگرچہ امن سبھائیں قائم کی جا رہی ہیں۔ مگر تمام ہندوستان میں امن کا قیام گاندھی پر منحصر ہے اس وقت جب کہ ہر دل میں آگ بھری ہوئی ہے، سب اپنے جذبات کو روک رہے ہیں اور یہی امن و نظام کا بڑا کام ہے۔ کہا جاتا ہے، کہ چند سال قبل ہندوستان میں بالکل امن تھا، مگر اُس وقت ہندوستان زندہ کب تھا؟ جب کوئی آدمی سوتا ہو یا مر گیا ہو تو یقیناً امن رہتا ہے۔ لیکن جیسے ہی وہ زندوں کی دنیا میں آتا ہے، تو کچھ نہ کچھ ضرور کرتا ہے۔ آج جو ہندوستان میں باقاعدہ ہنگامہ و حملہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کانگریس نے اَمن سے کام کرنے کی اجازت دی ہے۔

لارڈ ریڈنگ کا فرض

میں گورنمنٹ کو ہوشیار کرتا ہوں کہ اب وقت میٹھی میٹھی باتوں کا نہیں رہا، لارڈ ریڈنگ

کو ہندوستان میں یہی پالیسی نہیں اختیار کرنی چاہیئے، جو امریکہ میں اختیار کی تھی، ان کو صاف باتوں اور انصاف سے کام لینا چاہیئے۔

کہا جاتا ہے کہ ٹرکی کے لئے نئی شرائط مسلمانوں کو قبول کر لینی چاہیئیں مگر میں اعلان کرتا ہوں کہ کوئی مسلمان جو اپنے مذہبی احکام کا ماننے والا ہے، ان شرائط سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔

میں شرائط صلحنامہ پر کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ خلافت کانفرنس نے نہایت تفصیل کے ساتھ اعلان کر دیا ہے کہ "کوئی فیصلہ ان کو مطمئن نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ مذہبی احکام کے مطابق نہ ہو" ہم گورنمنٹ سے کسی دنیاوی مسئلہ پر کچھ دب کر سمجھوتہ کر سکتے ہیں، مگر مذہبی مسائل ہیں ایسے سمجھوتوں کی گنجائش نہیں۔ کیا کوئی ہندو گوشت خوری کے معاملہ پر دب کر سمجھوتہ کر سکتا ہے؟ میں یہ کر سکتا ہوں کہ اس پر راضی ہو جاؤں کہ مصر ٹرکی کو واپس نہ دیا جائے، یا فرانس ٹریپولی پر قبضہ رکھے، یا مراکو پرتگال کی زیر حکومت رہے۔ مگر "جزیرۃ العرب" کے معاملہ میں کسی سمجھوتہ کی گنجائش نہیں۔ مذہب کے معاملات میں تو صرف دو پہلو ممکن ہیں۔ ایک مذہبی دوسرا غیر مذہبی۔ اس پر بھی مسٹر مانٹیگ ہم سے سمجھوتہ کے لئے کہے جاتے ہیں۔ جتنا ہم دب سکتے تھے مہاتما جی کی درخواست پر اتنا دب چکے، اب آگے ذرا گنجائش باقی نہیں۔

اینگلو انڈین اخبار کہتے ہیں، کہ ترک نئی شرائط سے مطمئن ہیں۔ مگر یونان سے ان کی جنگ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ خیال غلط ہے۔ اس کے علاوہ خواہ کسی جگہ کے مسلمان اس معاملہ میں راضی ہوں یا نہ ہوں، اس سے مذہبی مسئلہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا مسئلہ تو مذہبی احکام کے مطابق طے ہونا چاہیئے اس کا فیصلہ فتح یا شکست پر نہ

نہیں ہے۔ یہ کوئی جُوا تو نہیں۔ مہاتما جی نے اپنی کانگریس کی تقریر میں کہا تھا کہ "اگر ہندوستان پروگرام پر عمل کرے گا۔ تو سوراج ایک سال میں حاصل ہو جائے گا" مہاتما جی کا اِس اعلان پر مذاق اڑایا گیا تھا، باوجودیکہ سوراج کا ملنا اِس شرط کے ساتھ مشروط تھا، کہ ہندوستان پروگرام پر عمل کرے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ سوراج ملنے کا کسی پر دارومدار نہیں ہے۔ اگر یہ اسمبلی اور طلبہ بھی ہمارے ساتھ ہوتے تو بڑی مدد ملتی لیکن اگر یہ نہیں ہیں جب بھی سوراج ملنے کی رفتار میں سستی نہیں پیدا ہوگی۔ اگر قانون پیشہ اور طلبہ کی اکثر تعداد ہمارے ساتھ ہو جاتی تو پورے پروگرام پر فوراً عمل کرنا شروع کر دیتے۔

بیزوارہ کانفرنس میں جو فیصلہ ہوا۔ وہ اس وقت ہوا تھا جب کہ دفعہ ۱۲۴ الف کا خوب زور شور تھا اِس دفعہ کا عام نفاذ ہمیں بتاتا ہے کہ اگر گورنمنٹ تمام تشدد کے قوانین بھی کتاب آئین سے حذف کر دے، اس وقت بھی اس کے لئے کافی جبر و تشدد کا راستہ کھلا ہوا ہے۔

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

حتّٰی کہ موالاتی بھی یہ نہیں کہہ سکتے، کہ گورنمنٹ نے ان کے ساتھ جو وعدے کئے تھے ان پر قائم رہی۔

امیر فیصل جس وقت شام سے جلاوطنی کی حالت میں گھوم رہے تھے، میں نے ان سے کہا تھا۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے   ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو

نوکرشاہی کی چالیں

ابتداء میں گورنمنٹ ہندوؤں کے ساتھ تھی۔ کہا جاتا تھا کہ "ہم تمہیں مسلمانوں سے بچاتے ہیں" اس کے بعد مسلمانوں کو دوست بنایا۔ اور کہا کہ "تمہیں ہندوؤں سے محفوظ رکھتے ہیں" جب یہ دونوں اس چال کو سمجھ گئے، تو سکھوں سے جا ملی۔ اس کے بعد اب نیپال سے دوستی کی ہے۔ کبھی اس نے تعلیم یافتہ آدمیوں کی دوستی نہیں اختیار کی۔ جب وہ ہندو جاہل تھے تو وہ دوست تھے، جب مسلمان جاہل تھے تو اس وقت وہ عزیز ہوئے۔ اب گورکھوں کی باری ہے۔

وہ شعر جو امیر فیصل کے لئے پڑھا تھا، اس حکومت کے لئے بھی موزوں ہے۔ ڈاکٹر سپیرد کو سرحد جانے کی اجازت دی گئی۔ اگرچہ وائسرائے کونسل کے ممبر ہیں، مگر سرحد کے جغرافیہ سے بالکل ناواقف ہیں۔ کیونکہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ قبائل کس کی حکومت میں ہیں۔ جو اب گورنمنٹ سے سرگرم پیکار ہیں، سرحد کا سفر بھی غرض سے خالی نہ تھا۔ گورنمنٹ چاہتی ہے کہ فوج کے لئے مزید روپیہ ہندوستان سے نچوڑے اس روپیہ سے جو کسانوں کی جیبوں سے آتا ہے ان فوجوں کی دعوتیں کی گئیں جو جلیانوالہ باغ کے قتل کی ذمہ دار تھیں اور قریب قریب تمام مال گذاری کا اس طرح اس وقت خاتمہ کر دیا گیا۔ جس وقت ہندوستان پر بیرونی حملہ کا کوئی خطرہ بھی نہ تھا۔

فوج تک بھی تو اپنی قسمت سے مطمئن نہ رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوجوں کی وفاداری پر بھی شبہ کیا گیا۔ لارڈ ریڈنگ نے ابراہیم لنکن کا مشہور مقولہ تو سنا ہی ہوگا "تم چند آدمیوں کو ہمیشہ بے وقوف بنا سکتے ہو اور تمام آدمیوں کو کچھ عرصہ تک مگر تمام

آدمیوں کو ہمیشہ بے وقوف نہیں بنا سکتے۔"

ہندوستانی فوج پر مالی گاؤں میں اعتماد نہیں کیا گیا۔ اگر ہندوستانی سپاہی مجھے ماریں، تو میں ان سے صاف صاف کہہ دوں گا۔

تیر پر تیر لگاؤ تمھیں ڈر کس کا ہے
سینہ کس کا ہے میری جان جگر کس کا ہے

مگر اعتدال پسندوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ صرف تارکانِ موالات کی جدوجہد کا باعث ہے کہ ان کی خاطر تواضع کی جا رہی ہے اور ان کی دعوتوں کے بانی وہ ہیں، جو جیل میں مصائب و آلام برداشت کر رہے ہیں۔ خیر! میں اصلی مبحث سے ذرا ہٹ گیا، میں کہہ رہا تھا، کہ کسی کو سوراج کے ایک سال میں ملنے میں کسی قسم کا بھی شبہ نہیں کرنا چاہیئے۔

غریب کسانوں پر تو ازالۂ حیثیت کے دعوے کئے جا رہے ہیں، مگر اُن اخبار والوں سے کچھ نہیں کہا جاتا۔ جو ان باتوں کے ذمہ دار ہیں۔ سب سے بڑا یہ جرم یہ بتایا جاتا ہے کہ اس طرح غدر ہو جائے گا۔ مگر کوئی نہیں پوچھتا کہ تعلقہ دار اور سرمایہ دار کسانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کر رہے ہیں۔ مالی گاؤں میں جو کچھ حکام نے کیا وہ ہر جگہ ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ میں مالی گاؤں کے لوگوں کے فعل کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھتا ہوں، کیوں کہ انھوں نے لڑائی لڑی۔ انھیں چاہئے کہ اپنے رہنماؤں کے احکام پر عمل کریں۔

کہا جاتا ہے کہ مہاتما گاندھی تو ایک اوتار ہیں۔ مگر اُن کے ۲ لفٹنٹ بہت خطرناک ہیں۔ بعض لوگوں کو شوکت علی ۷ × ۵ فیٹ کے نظر آتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ

شوکت علی کی طاقت کی کوئی حدود نہیں ہیں۔ تاہم جو کچھ مہاتما گاندھی کہتے ہیں وہی اُن کے لفٹنٹ بھی تعلیم دیتے ہیں۔ جب میں نے ایروڈ میں کہا تھا کہ "میں ایک حد تک تو پُرامن ہونے پر ایمان رکھتا ہوں، اور دوسرے پہلو سے حملہ پر بھی اعتقاد ہے تو اُس وقت میں ایک طرف تو مہاتما گاندھی سے اتفاق کرتا تھا دوسری طرف گورنمنٹ سے کیا یہ روحانیت ہی کا سبق تھا۔ جس کے لئے ممبرانِ کونسل کو حکومت نے سرحد کی سیاحت کرائی۔ پہلے گورنمنٹ کو چاہیئے کہ اہنسا کو چھوڑ دے، اس وقت وہ دوسروں سے اہنسا کی اُمّید کر سکتی ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے میں مہاتما جی سے اتفاق کرتا ہوں، کہ ہندوستان کی نجات کے لئے کسی مادّی ہتھیار کی ضرورت نہیں ہے +

ملک کا فائدہ اس میں ہے کہ سب متفق ہوکر آگے بڑھیں۔ ہندوستان میں بہت کم ایسے ہیں جو اچھی طرح اسلحہ کا استعمال کر سکتے ہوں۔ لہٰذا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم حملہ و ہنگامہ کا خیال بھی نہ کریں۔ حملہ کر کے ہم زیادہ سے زیادہ قربانی کر کے کم سے کم فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

بیرونی امداد کی ضرورت

کوئی تارکِ موالات سوراج کے لئے خارجی لوگوں کی مدد کا منتظر نہیں ہو سکتا + ہے

حقّا کہ باعقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردیِ ہمسایہ در بہشت

سوراج صرف ہندوستانیوں ہی کو حاصل کرنا چاہیئے۔ اس معاملہ میں بیرونی امداد ہمیں گوارا نہیں۔ لیکن اگر کوئی خارجی حکومت ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے گورنمنٹ سے جنگ کرے گی تو تارکانِ موالات چپ چاپ دیکھتے رہیں گے اور اس جنگ میں کوئی حصّہ نہ لیں گے۔ اس لئے کہ حملہ کرنا ان کے اصول کے خلاف ہے۔

یہ ہندوستانی معمار ہی تھے جنہوں نے بیرونی دیواریں مضبوط کردیں اور یہ ہندوستانی لوہار ہی تھے، جنہوں نے غلامی کی زنجیریں بنائیں اور وہ بھی ہندوستانی ہی تھے جنہوں نے برطانوی حکومت کو ہندوستان پر حکمرانی کرنے میں مدد دی۔ لہٰذا صرف ہندوستانی ہی سوراج لینے میں اپنی مدد آپ کرسکتے ہیں۔

کیا آپ مجھے تاریخ میں ایسی مثال بتا سکتے ہیں، کہ لوگ خوشی خوشی جیل جاتے ہوں اور ظالموں کے آگے سر نہ جھکاتے ہوں، اگر ترک موالات کی کامیابی کا نظارہ دیکھنا ہو تو جیل میں جاکر دیکھو۔ یہ سچ ہے کہ بہت سے لوگوں نے خطابات، تعلیم اور قانونی پیشہ نہیں ترک کیا ہے۔ مگر ان چیزوں کی اب پہلی سی وقعت نہیں رہی۔ جب میں نے "کامریڈ" نکالا تھا، غرض یہ تھی کہ کچھ روزوں میں خان بہادر کا لفظ ایک گالی ہو جائے۔ آج مالدار سے مالدار آدمی مثل موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو اور غریب سے غریب کسان ایک ہی قسم کی پوشاک میں نظر آتے ہیں۔ کیا آپ اس سے بڑھ کر ترک موالات کی کامیابی کا ثبوت چاہتے ہیں؟

کون پُرامن ہے؟

ترک موالات کے دستور العمل کے متعلق اعتراض تھا، کہ یہ انقلاب انگیز ہے۔ اور

اِس قابل نہیں کہ اس پر عمل کیا جائے۔ مگر اب تو ہم سب مشل گائے کے سیدھے ہو گئے ہیں۔ اب صرف اعتدال پسند ہیں جو جابر ہیں میرے بھائی شوکت علی، جب کبھی کسی انگریز کو دیکھتے ہیں۔ تو اپنے ہاتھ پشت پر رکھ لیتے ہیں، تاکہ انھیں مارنے کی رغبت نہ ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ہم "بے چینی پھیلاتے" ہیں۔ مگر میں بہ آواز بلند کہتا ہوں کہ اعتدال پسند آئیں اور ایک جلسہ میں تقریر کریں، اور ہم بھی کریں، اُس کے بعد فیصلہ حاضرین پر چھوڑ دیا جائے کہ ہم بےچینی پھیلاتے ہیں یا وہ؟

میں سرہارکورٹ بٹلر سے کہتا ہوں، کہ کھُلے میدان میں آئیں۔ ایسی حالت میں جبکہ آدھے ہم میں سے جیل میں ہیں۔ اور دفعہ ۱۴۴ اور دفعہ ۱۰۸ سے زبانیں بند ہیں ان کا رویہ کسی عجائب خانہ کے بند شیروں کو گولی مارنا ہے، بمقابلہ کسی کھُلے جنگل کے۔ میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ تمام قوانین تشدد اب بیکار ہیں۔ اس لئے کہ تحریک عوام کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے۔ اور آج کل ملک میں صرف ایک خدا کی حکومت ہے۔

اتحاد

گورنمنٹ ہمیشہ دو طریقوں پر اعتماد رکھتی ہے۔ اوّل تو مادّی طاقت اور دوم جو زیادہ عام ہے وہ دھوکہ بازی کا ہے۔ کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ حکومت کا دارومدار آپس میں تفریق پیدا کر کے حکومت کرنے پر ہے۔ مگر آج ہندوستان کے تمام فرقے گورنمنٹ کی مخالفت پر آمادہ ہیں۔ وفادار سکھ تا بعدار مسلمان اور بنیا ہندو سب گورنمنٹ کے خلاف متحد ہیں، اس لئے کہ سب نے اپنی وفاداری کے نتائج خراب دیکھے۔

جب میں ہندوستان آیا، میں نے کوئی لفظ افغانستان کے متعلق زبان

نہیں نکالا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پانیر اور لیڈر افغانی ہوّے کا اس قدر شور مچا رہے ہیں۔ پانیر اپنی حال کی اشاعت میں کہتا ہے کہ "گورنمنٹ محمد علی کے خط کو ظاہر کرکے ان کو ممنون نہیں کر سکتی" میں بھی کہتا ہوں کہ "پھر پانیر ایسی امید کیوں کرتا ہے کہ میں گورنمنٹ کے سوالوں کے جواب دے کر اس کو ممنون کروں گا" مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے نہ تو موجودہ امیر سے اور نہ ان کے والد سے کوئی خط و کتابت کی۔ جو آواز افغانی معاہدہ کے خلاف بلند ہوئی تھی، وہ میری نہ تھی بلکہ ایک ہندو "مہاتما گاندھی" کی تھی۔

سر ولیم وِنسنٹ کہتے ہیں کہ "میں ہندوستان میں مُسلم حکومت قائم کرانا چاہتا ہوں" میں بآوازِ بلند یقین دلاتا ہوں کہ میرا یہ خیال کبھی ہرگز نہیں، اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔

افغانی خطرہ سر ولیم وِنسنٹ اور مسٹر سوامی آئر کے دماغوں کا نتیجہ ہے اور جب میں بیزواڑہ جا رہا تھا۔ تو مجھ سے کہا گیا تھا۔ کہ ڈاکٹر سپرو شملہ اس لئے جا رہے ہیں کہ بعض حیرت انگیز انکشافات کریں۔ یہ نوکر شاہی کا آخری ہتھیار تھا، جس کے ذریعہ سے ہندو مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور اس لئے میرا فرض تھا، کہ میں اس خفیہ کارروائی کو پبلک میں لاؤں اس لئے میں نے مہاتما جی سے سب کچھ کہہ دیا اور اپنی تمام خط و کتابت ان کے سامنے رکھ دی بیزواڑہ میں جو میری تقریر ہوئی، وہ مہاتما جی کے اشارہ سے ہوئی تھی۔ میں نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر افغانی اس لئے حملہ کریں، کہ ہندوستانیوں کو غلام بنائیں، تو ہم اُن سے مقابلہ کریں گے۔ اور اگر وہ جہاد کریں، اس حکومت کے خلاف جس کا اعتماد لوگوں

کے دلوں سے بالکل اُٹھ گیا ہو۔ تو ایسی حالت میں ہم خاموشی سے اِس جنگ کو دیکھیں گے اور گورنمنٹ کو افغانیوں کے خلاف مدد نہیں پہنچائیں گے۔

مہاتما جی اور بھی ایک قدم آگے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "برٹش گورنمنٹ کو ہم کبھی مدد نہ دیں گے۔ خواہ کوئی دشمن بھی اُس پر حملہ کرے" یہ میرا مذہبی فرض ہے کہ ہندو مسلمانوں میں اتحاد پیدا کروں، مگر میں چاہتا ہوں کہ ہندو ہندو رہیں، اور مسلمان مسلمان۔ اگر انھوں نے اپنے اپنے مذہب کو ہی چھوڑ دیا۔ تو پھر اتحاد کے کچھ معنے نہیں۔ اگر جہاد کا اعلان احکامِ قرآنی کے مطابق ہو تو میرا مذہبی فرض ہوگا کہ میں امداد دوں۔ اگر میں اُس میں شرکت نہ کروں تو میں مسلم نہیں رہتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو مجھ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ میں ہندوؤں کو مسلمانوں کے قبضہ میں لانا چاہتا ہوں۔ اور دوسری طرف یہ الزام ہے کہ میں نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور یہ دونوں الزام گورنمنٹ اور اُس کے خوشامدی لگاتے ہیں۔ مجھے تسلیم ہے کہ یہ پیچیدہ سوال درپیش ہو سکتا ہے، کہ ہم افغانیوں کی مدد کریں، یا ان کا مقابلہ کریں۔ جب افغانی سرحد پر نمودار ہوں گے، تو کوئی کارروائی کرنے سے قبل، میں اُن کے ارادوں کو معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اُن کے ارادے خواہ کچھ بھی ہوں اگر انھوں نے برٹش گورنمنٹ کو شکست دے کر ہندوستان پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ تو میں ان کے نکالنے کی حتی الامکان کوشش کروں گا۔

اگر میرے ان تمام اعلانوں کے بعد بھی تمھیں اطمینان نہیں ہو سکتا، اور اگر اب بھی بائیس کروڑ ہندو ایک کروڑ افغانی اور سات کروڑ ہندوستانی مسلمانوں سے ایسا خوف کھاتے ہیں، تو میں کہوں گا کہ ہندوؤں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے

تو اپنی ذات سے ایک ہندو کا غلام رہنا پسند کروں گا، بمقابلہ ایک غیر ملکی کے۔ اگر مسلمانوں نے ہندوؤں کو افغانیوں کی مدد سے خطرہ میں ڈال دیا۔ یا اگر ہندو اپنی تعداد کے بل پر مسلمانوں پر حاوی ہو گئے تو دونوں انسان اور خدا کے نزدیک ملعون ہوں گے، اور خدا ظالموں کو سزا دینے والا ہے۔ نہ تو بہادر ہندوؤں کو مسلمانوں کا خطرہ ہونا چاہئے اور نہ جری مسلمانوں کو ہندوؤں کا۔

میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ چند لوگوں کے شبہات کی وجہ سے اپنی آزادی کو نہ گنوائیں ایک کروڑ افغانی تیس کروڑ ہندوستانیوں پر کس طرح حکومت کر سکتے ہیں۔ یہ بات میری تو سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ مگر اعتماد کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر میرے اوپر اعتماد ہو تو خیر، ورنہ میرے پاس تو ایک ہتھیار ہے جو اوروں کے پاس نہیں یعنی اور وہ محبت ہے۔ میں تو گورنمنٹ سے ترکِ موالات کئے جاؤں گا اور ہندوؤں سے محبت کروں گا۔ خواہ وہ مجھے کتنا ہی ستائیں، اور اگر اِس جد وجہد میں میری جان بھی جاتی رہی تو سمجھوں گا کہ نجات مل گئی۔

میں نے ہمیشہ اتحاد کی حمایت کی اور میرے اخبار "کامریڈ" کا نام اِسی پر دلالت کرتا ہے۔ مگر اِس اتحاد کے لئے میں یہ چاہتا تھا کہ اوّل مسلمان اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں، اس وقت اتحاد کریں۔ یہ نہیں کہ ہندوؤں کے رحم وکرم پر اتحاد کی بنیاد پڑے۔ سوراج میرا مذہب ہے۔

اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ "سوراج حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔ مسلمانوں نے غلامی کے بہت سے گھونٹ پی لئے۔ میں نہیں چاہتا کہ دوسروں کو بھی یہ گھونٹ پیش کئے جائیں" خواہ مسلمان میرا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ خواہ

میرے بھائی مولانا شوکت علی میرے ساتھ رہیں یا نہ رہیں۔ میں اپنی ذات کی حد تک تیار ہوں، کہ آخر دم تک آزادیٔ ہند کی جنگ جاری رکھوں گا۔

گجرات کانفرنس کا خطبہ

حکومت سے "معافی" کا افسانہ

۳؍جون ۱۹۲۱ء کو محمد علی نے "گجرات کانفرنس" میں وقت کے مسائل پر حسب ذیل خطبۂ صدارت پیش کیا۔ محمد علی کی بعض گرم تقریروں پر، وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ بہت جز بز ہوئے تھے اور انھوں نے خاص طور پر گاندھی جی کو بُلا کر "علی برادران" کی تیز گفتار کی شکایت کی تھی۔ گاندھی جی نے محمد علی کو مجبور کیا کہ، چونکہ وہ عدم تشدد پر عمل پیرا ہیں۔ لہٰذا ایک بیانِ صفائی شائع کر دیں محمد علی نے گاندھی جی کے ارشاد کی تعمیل کر دی۔ سرکار پرستوں نے مشہور کیا کہ "محمد علی حکومت سے دب گئے اور انھوں نے معافی مانگ لی"

اِس موقع پر محمد علی نے تفصیل سے اپنے بیان کا پس منظر بھی پیش کر دیا۔

"مُرتّب"

۳ جون ۱۹۲۱ء بمبئی گجرات کانفرنس

خلافتِ اسلامیہ کی اہمیت اس ایک واقعہ سے ثابت ہے کہ، جب سرورِ کائنات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، تو آپؐ کے صحابہ کبار رضٰ آپؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے بغیر "مسئلہ خلافت" کے سلجھانے میں ہمہ تن مستغرق ہو گئے۔ کیونکہ اس وقت خلافت کی استواری کے ساتھ مسلمانوں کی حیات وابستہ تھی چنانچہ آج مسلمانانِ ہند بھی اس قدیمی سنتِ اسلامیہ کی پیروی میں خلافتِ اسلامیہ کی بقا، کے لئے کبھی اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ، جزیرۃ العرب میں غیر مسلم اپنا بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی تسلط قائم کر سکیں +

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ سے کوئی معقولیت کے ساتھ یہ سوال کر سکتا ہے کہ آپ اپنے مذہبی عقائد دوسرے مفاد پر قربان کر ڈالیں۔

یہاں مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سرزمینِ ہند میں حامیانِ خلافت سے اس بات کا نہایت تشدد کے ساتھ مطالبہ کیا جا رہا ہے +

ہمارا "مُعافی نامہ"

میں آپ حضرات کے سامنے خدا کو شاہد قرار دے کر علی الاعلان کہنا چاہتا ہوں کہ میں اور میرے برادرِ مکرم کبھی ایسے بیان کو وضع یا مشتہر نہیں کر سکتے۔ جس سے یہ مفہوم کا امکان بھی ہو کہ جب ہمیں اسلام کی طرف سے بلاوا آ جائے گا تو ہم میدانِ کارزار میں اس ایثار اور قربانی کا ثبوت بہم نہ پہونچائیں گے۔ جس کا پہلے غزوۂ اسلامیہ

میں تین سو تیرہ مجاہدینِ اسلام نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں دیا تھا۔ تیرہ سو سال کے زمانۂ دراز میں اسلام پر کبھی ایسا نازک وقت نہیں آیا، جو آج درپیش ہے۔ ابھی چند روز ہوئے کہ غزوۂ بدر کے اُن سرفروشوں کی برسی تھی، جن کو مظالم و شدائد سے تنگ آکر مجبوراً مدافعت کے لئے شمشیر بکف ہونا پڑا تھا۔ اس وقت اگرچہ کُل تین سو تیرہ فدائیوں نے اسلام کا ساتھ دیا تھا، جن میں سے بعض پندرہ اور گیارہ برس کے نابالغ بچے بھی تھے۔ مگر ان مجاہدینِ اسلام کے سینوں میں وہ سچا "جذبۂ اسلامی" تھا۔ جو آج عنقا ہے۔ اِس لئے ہمیں جس خطرہ نے گھیر رکھا ہے، وہ پہلے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نے یا میرے برادرِ مکرّم نے کبھی ایسی تقریر کی ہو، جس سے لوگوں کو فساد پر اُکسانے کا پہلو نکل سکتا ہو۔ اگر ہماری بعض تقریروں میں غیر ضروری گرم بیانی سے کام لیا گیا۔ تو ہم اُس پر اظہارِ تاسّف کر چکے ہیں۔ جس کی فہمائش ہمارے بعض احباب کی طرف سے ہوئی تھی۔ مگر آپ سچ جانیئے کہ اس حکومت سے ڈر کر ہم نے ایسا نہیں کیا ہے۔ جیسے ابھی تک جلیان والے باغ اور پیٹ کے بل رینگنے کی بدکرداریاں کرنے پر اظہارِ تاسّف یا پشیمانی کرتا ہے۔ بلکہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اور میرے بھائی نے جو کچھ کیا، وہ تحریکِ بلاتشدد و عدم تعاون کی خاطر کیا۔ کیونکہ ہمیں یہ مقدس تحریک ویسی ہی محبوب ہے، جیسی مہاتما گاندھی کو ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کرتے، تو اِس بات کا احتمال تھا، کہ کہیں لوگوں کو اِس کے متعلق غلط فہمی نہ ہو جائے۔

حکومت کی طرح لوگوں پر اپنا اعتماد جمائے رکھنا ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ ہماری

اصلی غرض حق کا بول بالا کرنا ہے۔ ہم کبھی بھی دیانت داری اور انصاف کو پرسٹیج (وقار) کے بت کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتے۔

ہمارا بیان

علاوہ ازیں ہمیں تحریکِ عدم تعاون کی کامیابی پر اِس قدر وثوق کامل ہے کہ اس اطلاع کے ملتے ہی کہ مخالفین عدم تعاون اِس تحریک کے راستہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ ہم نے فوراً واضح الفاظ میں اپنا بیان جرائدِ ہند کے نام شائع کر دیا، تاکہ اس تحریک کے بلا تشدد ہونے میں مخالفین کو کوئی بھی بہانہ ہاتھ نہ لگے۔ کیوں کہ ہمیں کب ایسا گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ تحریک جس کی کامیابی کی ہمیں اس قدر آرزو ہو، اس کو ذاتی شکوک کا شکار ہونے دیں، ہمیں قید کا ڈر نہیں ہے۔

جو لوگ ہمارے الفاظ کو توڑ موڑ کر اپنے مفیدِ مطلب معانی نکالنا چاہتے ہیں، ہم ایسے لوگوں کو متنبہ کئے دیتے ہیں کہ "ہماری تقریروں سے تشدد کا پہلو نکالنا فضول اور بیکار کوشش ہے" جو معانی ہماری بعض تقریروں کے لئے جا رہے ہیں، وہ بالکل غلط ہیں۔

اعلان میں اہلِ ہند سے خطاب

در اصل ہم نے اعلان میں اہلِ ہند یا ان حضرات کو جو تحریکِ عدم تعاون بلا تشدد کے حامی ہیں مخاطب کیا تھا۔ اگر گورنمنٹ یا وہ لوگ جو ہم سے مسائلِ حاضرہ کے متعلق خلاف رائے رکھتے ہیں، اپنے آپ کو اس اعلان کا مخاطب سمجھ لیں تو بیجا نہیں۔ ہمارے کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں آیا۔ کہ ہم گورنمنٹ سے کسی قسم کا سودا کریں اور

اس حقیقت سے ہمارے ہم خیال ناواقف نہیں ہیں۔ ہمارا اظہار تاسف و پشیمانی، برادران ہند کے سامنے تھا۔ اور اب اس بنا پر کہ اگر کوئی ہماری تقریروں کو تشدد آمیز خیال کرتا ہو تو اس خیال کی تردید کرکے ہم ظاہر کردیں کہ ہماری نیت یا ہماری حکمتِ عملی میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا، اور ہم مہاتما گاندھی کے اُسی طرح پیرو ہیں جیسا کہ پہلے تھے۔

ہمارے مذہب میں تشدد رَوا ہے

ہم اس اَمر کو روزِ روشن کی طرح ظاہر کردینا چاہتے ہیں۔ کہ ہمارا اصول مہاتما گاندھی کے اصول کے عین مطابق ہے، مگر ہم اس کے قائل نہیں کہ تشدد ہر حالت اور ہر موقع پر ناروا ہے۔ ہمارا مذہب ہمیں سکھاتا ہے کہ موقع محل پر ہم جبر و تشدد کو کام میں لائیں اور نہ صرف یہ بلکہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے مذہب اسلام نے تشدد آمیز کارروائی اختیار کرنی ہم پر فرض کردی ہے۔

ہم مہاتما گاندھی کی پیروی ایک ہی شرط پر کرسکتے ہیں کہ ہمیں بعض مناسب مواقع پر جبر و تشدد کو کام میں لانے کی اجازت ہو۔

حضرت رسولؐ کریم کا مذہب

ہم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق جبر و تشدد پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم پیارے نبی م اور صحابہ کرام رضکے اُسوۂ حسنہ کے عین مطابق با تشدد و باجبر کارروائی پر یقین رکھتے ہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مع

صحابۂ کرام رضؓ تیرہ برس سے مکۂ معظمہ میں صبر وسکون کے ساتھ سختی اور مصائب برداشت کرتے رہے آپ کی طرف سے اِس عرصہ میں کوئی جبر یا تشدد کی کارروائی عمل میں نہیں آئی۔ بالآخر آپ کو مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔

عَدم تشدّد ہماری تحریک کی جان ہے

محمد علی اور شوکت علی کے متعلق لوگ یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ یہ دونوں بھائی بالواسطہ یا بلاواسطہ تشدد کے حامی ہیں۔ جبکہ ملک کی بلا اشتداد تحریک ترکِ موالات پر بھی حکام کا دستِ تعدی دراز ہو رہا ہے۔ ہم نے ترکِ موالات کے نظامِ عمل کا بہت سا تجربہ حاصل کیا ہے۔ اور ہم نہایت وثوق سے یہ رائے ظاہر کرتے ہیں۔ کہ اس تحریک نے ملک میں خوب اچھی جڑ پکڑ لی ہے۔ اور صرف اِسی تحریک سے مقاصدِ خلافت اور پنجاب کا تصفیہ اور سوراج کا حصول ایک سال کے اندر ممکن ہے۔ اور ہمیں یقین واثق ہے کہ ہماری تحریک کی کامیابی اِسی پر منحصر ہے کہ عوام میں عدم تشدد کی روح برقرار رہے۔

تلوار اُٹھائیں گے بشرطیکہ.......!

ہم پھر ایک دفعہ عدم تشدد اور عدم تعاون کے نظامِ عمل سے اپنی وفاداری تائید وحمایت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اُس وقت تک دشمنانِ اسلام کے خلاف ہتھیار اُٹھا کر جنگ کرنا ملتوی کرتے ہیں، جب تک عدم تعاون ناکام نہ رہ جائے۔ اور جب تک شریعت غرائے اسلامی کے ماتحت اعلانِ جہاد نہ کر دیا جائے۔ جس طرح غازیانِ معرکۂ بدر پر فرض جہاد عائد ہوا تھا۔ اِسی طرح اگر آج بھی فرزندانِ اسلام کو دعوتِ جہاد دی جائے تو

وہ اس فرضِ عین سے ہرگز ہرگز پہلوتہی نہیں کر سکتے۔

حضورِ سرورِ کائنات صلعم کا اُسوۂ حسنہ

حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جن کا اُسوۂ حسنہ ہر مُسلمان کے لئے قابلِ تقلید ہے۔ حضورؐ جنگِ بدر میں اپنی قوم کے خلاف لڑے۔ اور میدانِ اُحد میں اپنے نیزہ کو بہت مؤثر طور پر استعمال کیا۔ لیکن حضورؐ نے بھی اپنے زمانۂ نبوت کے غالب حصہ میں اپنی شمشیر نیام ہی میں رکھی۔ اِس تمام توہین، تذلیل اور تخلیف کو جو دشمن حضورؐ کے حق میں رَوا رکھتے تھے، عاجزی سے برداشت کیا، اور اپنے مخالفین کو ذرّہ برابر بھی نقصان نہ پہنچایا۔

کوئی غیر مُسلم مسلمانانِ ہند کے جذبات و احساسات سے اتنا واقف نہیں ہے جس قدر میں اور میرے بھائی واقف ہیں۔ اور اگر ہم نے اپنی تقریروں میں اس تشدد کا حوالہ دیا ہے، جس کو اسلام رَوا رکھتا ہے تو اُس کی صرف یہ وجہ تھی۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب تک مسلمانوں کو یہ یقین نہ دلایا جائے گا۔ اِس مسئلہ میں تمہیں شریعتِ اسلامی سے انحراف نہ کرنا پڑے گا، اس وقت تک ایک مسلمان بھی اس سکون آمیز تحریک میں ہماری پیروی کرنے پر آمادہ نہ ہوگا۔

مہاتما گاندھی کا "اہنسا"

ہم مسلمانوں کو اس لئے عدمِ تشدد کا مشورہ نہیں دیتے کہ، مہاتما گاندھی نے "اہنسا" کا فتویٰ دیا ہے، بلکہ خود حضور رسول خدا صلعم اِس عدمِ تشدد کا حکم دیتے رہے ہے

اور اُس پر عمل کرتے رہے، تاآنکہ کاسۂ صبر و ضبط لبریز ہوگیا۔ اور خدائے تعالےٰ نے اُن کو اجازت دیدی۔ کہ سنگ دل دشمنوں کے مقابلے میں حفاظتِ اسلام کے لئے اپنی تلواروں کو بے نیام کریں۔

مہاتما گاندھی کی تعلیمات ہمیں بہت عزیز ہیں۔ کیونکہ حالاتِ موجودہ میں یہی تعلیمات ہمارے پیغمبر اسلامؐ کی ہیں، لیکن اگر حالات میں تغیّر پیدا ہو جائے، تو اس حالت میں ہمارے رویّہ کو مہاتما گاندھی سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ اور کوئی شخص مہاتما سے زیادہ اس معاملے میں ہمارے رویّہ کو بہ نظرِ استحسان نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ ایسی حالت میں ہم صرف اپنے مذہب اور اپنے ضمیر کے مطابق عمل کریں گے۔ ہم اِس طرزِ عمل کو نہایت سفیہانہ اور مضحکہ انگیز سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارے ظاہر و باطن میں اختلاف ہو اور ہم بلا استثنا عدم تعاون کو تشدد کی تیاریوں کے لئے کام میں لائیں۔

اور تمام باتوں کے علاوہ اسلام کی عزّت و حرمت کا تقاضا یہ ہے کہ محمد علی اور شوکت علی اور تمام وہ مسلمان جو اُن کے زیر اثر ہیں اس مشترکہ نظامِ عمل پر وفادارانہ لفظاً و معناً کاربند رہیں، جو ہندوؤں، مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں نے، کانگریس کے دو اجلاسوں میں قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور جس کی ابتدا مجلس مرکزیہ خلافت کی طرف سے کی گئی تھی۔

ہمیں اس پر مسرّت ہو کہ حکومت نے ہمیں پابندیٔ مذہب کے جُرم کی پاداش میں گرفتار کرنے کا خیال چھوڑ دیا ہے۔ لیکن اگر ہم گرفتار بھی ہو جاتے تو بھی ہمیں اتنی مسرت ہوتی۔ اور ہم ہنسی خوشی اپنے آپ کو حوالے کر دیتے۔ ہمیں اس سے کچھ واسطہ نہیں کہ حکومت کیا کرنا چاہتی ہے اور کیا نہیں کرنا چاہتی۔ بلکہ ہمیں تو صرف تحریک

ترکِ موالات سے اور اپنے رفقائے کار کی شرکتِ عمل سے واسطہ ہے۔

اظہارِ تاسّف

اگر ہمیں گرفتاری کا خوف ہوتا، اور ہم اپنے ابتدائی اعتقادات سے روگرداں ہونا چاہتے، تو اس کے لئے موزوں ترین وقت تو وہ تھا۔ جب آج سے چند ہفتے پہلے الہ آباد میں ہمیں معلوم ہوا تھا، کہ حکومت ہمیں گرفتار کر کے جیل بھیجنے والی ہے، لیکن ہم نے اُس موقع پر بھی اپنے اعتقادات کو زور شور سے بیان کیا۔

آج ہم نے ایک عام بیان شائع کیا ہے جس میں اپنی تقریروں کے بعض منقطع فقرات کی تیزی پر اظہارِ تاسف کیا ہے۔ اس بیان کے شائع کرنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ بعض دوستوں نے ان فقرات کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی، اور ہم چاہتے تھے کہ جہاں تک ہمارا مذہب اجازت دے، ہم ان احباب کی دل داری اور اُن کے احکام کی تعمیل کر دیں۔ بس اتنا سا معاملہ تھا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم نے ایک ایسی غیر ملکی گورنمنٹ کے سامنے اظہارِ پشیمانی کیا ہے، جس سے ہم نے آج تک سوائے رنج و مصیبت کے اور کچھ نہیں پایا۔

اگر پُر امن جدّوجہد ناکام ہوئی

تو جبرو تشدد کا راستہ اختیار کیا جائیگا

مارواڑی ودیالیہ ہال، بمبئی میں، ۱۴ر جولائی ۱۹۲۱ء کو
محمد علی نے حسب ذیل تقریر کی :

ہندوستانی بہت زیادہ "تنگ نظری" میں مبتلا ہیں۔ وہ ہند سے باہر کے معاملات پر نگاہ نہیں ڈالتے، حالانکہ ضروری ہے کہ دنیا کی تمام تحریکوں سے باخبر رہا جائے۔ ہندوستان کی دوسری قومیں ایشیا کے مسائل میں اتنی دلچسپی کا اظہار نہیں کرتیں جتنا مسلمانانِ ہند۔ ایشیا میں چین کے سوا تمام قوموں کی آزادی سلب کی جاچکی ہے۔ جاپان کا ذکر بے کار ہے۔ کیونکہ اس کا سب پر رُعب بیٹھا ہوا ہے، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہندوستانی اپنے دائرۂ نظر کو وسیع کریں، اور حب الوطنی میں بھی تنگ نظری سے کام نہ لیں۔

یورپ نے آہستہ آہستہ سب طرف پاؤں پھیلائے۔ ٹرکی کے صوبے یکے بعد دیگرے ہضم کر لئے۔ ٹرکی ہی وہ طاقت تھی، جو یورپ اور ایشیا کے درمیان "سدِ راہ" تھی اور یورپ کے مقابلہ میں ایشیا کی محافظ تھی۔ ترک وہ تھے جنھوں نے سب سے

ایک باقاعدہ فوج بنائی۔ ورنہ اُس وقت تک یورپ میں کوئی باقاعدہ فوج کو جانتا بھی نہ تھا۔ فنونِ جنگ کا بھی یورپ میں اس وقت تک علم نہ تھا۔ جب تک کہ ٹرکی نے نہ سکھایا اگر لوگ یہ جاننا چاہیں کہ ٹرکی نے اسلام کی کیا خدمت کی، تو حقیقت یہ ہے کہ ٹرکی ہی وہ قوم ہے جس نے صدیوں تک اصلی اسلامی زندگی کا نمونہ دکھایا۔ عرب اور ایرانی دونوں کے مقابلہ میں ترکوں کی خدمات زیادہ شاندار ہیں۔ ترکی کسان نہایت امن و سکون کے ساتھ اپنی زمینیں جوتنے بونے میں مشغول رہتے تھے، مگر اعلانِ جنگ ہوتے ہی میدان میں جان لڑانے کو موجود ہو جاتے تھے۔ اور بعد از جنگ پھر اپنے کاشت کے کام میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ایشیا کے وسیع برّ اعظم کی آزادی امن کے ساتھ مداخلت کرتے کرتے فنا کر دی گئی۔

انگلستان کے زاویۂ نظر میں تبدیلی

ابتدا میں ٹرکی نے ہر موقع پر انگلستان کی مدد کی، جب کہ اس پر یورپ کے دوسرے ممالک کی چڑھائی تھی۔ گر رفتہ رفتہ برطانوی نقطۂ نظر میں تبدیلی ہو گئی ڈسرائیلی کے زمانے سے یہ نئی پالیسی شروع ہوئی اور لارڈ سالبری، گلیڈسٹون اور مسٹر لائڈ جارج تک آتے آتے وہی انگلستان جو ٹرکی کا دوست تھا دشمن ہو گیا، اور روس سے اتحاد کر لیا جو ٹرکی کا جانی دشمن تھا۔ مسٹر لائڈ جارج نے جو کچھ وعدے کیے وہ بار بار توڑ دیئے گئے۔ اور نہ صرف مسٹر لائڈ جارج بلکہ گلیڈسٹون اور گرے نے بھی اسی وعدہ شکنی کی پالیسی پر عملدرآمد کیا۔

فرانس کی حماقت

میں جب فرانس گیا تھا، تو میں نے فرانسیسیوں کو سمجھایا کہ شام پر قبضہ کر کے ایک حماقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ کیونکہ فرانس کو ہمیشہ شام میں بے چینی سے مقابلہ پڑے گا۔ اور اِس بے چینی کی صدائے بازگشت الجیریا اور دیگر اسلامی ممالک میں پیدا ہوگی۔ جو فرانس کے قبضہ میں ہیں۔ پیرس میں مجھ سے طرابلس کے مسلمانوں سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا کہ فرانسیسیوں نے شام نہ خالی کر دیا تو ہم ٹیونس جائیں گے۔ اور اس کو فرانس سے آزاد کرائیں گے۔ اِس طرح ایک جگہ کا اثر دوسری جگہ پہنچے گا۔

ہمیں مصر سے سبق لینا چاہئے

ہندوستانیوں کو مصر سے سبق لینا چاہئے۔ کہ اس کا کیا حشر ہوا ۱۸۸۲ء میں اس پر قبضہ کیا گیا تھا اور باوجود وعدوں کے آج تک آزاد نہیں کیا گیا۔ مصریوں نے پھر کیا کیا؟ انھوں نے یورپین زبان میں اپنی شکایات پیش کرنے میں کونسی کسر اُٹھا رکھی۔ مگر اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آخر کار جب اُنھیں معلوم ہو گیا کہ انھیں بے وقوف بنایا جا رہا ہے، تو موجودہ جد وجہد شروع ہو گئی۔ اور انھوں نے سمجھ لیا کہ ہندوستانیوں کی طرح ہمیں بھی انتہا پسندی سے کام لینا چاہئے، اصولِ توازن کے مطابق انگریزوں کو عراق مل گیا، اور فرانس شام دبا بیٹھا۔ اسی طرح فرانس نے برطانیہ سے مراکش کے متعلق سودا کر لیا۔ اور آج مراکش پر اس کا قبضہ ہے۔ مگر وہ قوم جو یورپ میں جبل الطارق تک فتح کر چکی ہے اور برنیر کے پہاڑوں میں جا کر ڈنکا بجا چکی ہے، زیادہ عرصہ تک غلامی میں نہیں رہ سکتی۔

ترک اور آرمینی

آرمینیوں کے متعلق میں نے اور مسٹر پکتھال نے مسٹر لائڈ جارج سے کہا تھا، کہ ہم انصاف و صداقت کی حمایت کرتے ہیں۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ترکوں نے آرمینیوں کا قتل عام کیا ہے، تو ہم ترکوں کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں گے۔ مگر برطانیہ نے ترکوں کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا۔ ترکوں نے بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھائیں، اور ایک عرصہ سے اٹھا رہے ہیں، مگر ان میں انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے وہ تو ایسی قوم ہے کہ قسطنطنیہ میں کتوں تک کو بھی نہیں مارنا چاہتی، وہ انسانوں کو قتل کہاں کرے گی؟ کیا کوئی یہ خیال کرسکتا ہے کہ ترکوں نے آرمینیوں کا قتل عام کیا ؟۔ آرمینی کبھی ستم زدہ نہیں ہیں۔ اور ان کی تعداد کسی مقام پر ترکوں سے زیادہ نہیں۔ پھر بھی انکا مطالبہ ہے کہ انھیں تمام صوبہ کا صوبہ دیدیا جائے۔ باوجودیکہ وہ ترکوں کا وطن ہے۔ اس کے علاوہ آرمینی خود کوئی شکست قوم نہیں ہے، بلکہ جنگ جو پہاڑی قوم ہے۔ کرد قوم ان کے ساتھ رہتی تھی جس سے کہ انھوں نے تمام دولت چھین لی۔ جو ظلم آرمینیوں نے معصوم ترکوں پر کئے، جب کہ محافظ ترک میدانِ جنگ چلے گئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ آرمینیوں کو نقصان پہنچا، مگر وہ اِس حیثیت سے کہ انھوں نے ترکوں کے مخالفوں کا ساتھ دیا۔ ایک پُر اَمن کی حیثیت سے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ آرمینیوں نے انگلستان سے اپیل کی اور بحیثیت اتحادی کے وہ صلح کانفرنس میں شریک کئے گئے۔ ترکوں کے متعلق جو مظالم مشہور ہیں، یہ اُس اشاعت کا نتیجہ ہیں، جس کے لئے بہت سا روپیہ وینزلاس سے ملتا تھا۔ برطانیہ نے آرمینیا کی حکم برداری اس لئے نہیں قبول کی: ہاں لوٹ مار کے

لئے کچھ نہیں رکھا تھا۔ اسی طرح فرانس نے بھی اس کی خواہش نہیں کی تو پھر امریکہ سے درخواست کی گئی۔ لیکن امریکہ نے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ بیوقوف بننا نہیں چاہتا تھا۔

ہندوستانی اور ترک

چین تو اس لئے محفوظ تھا کہ اس کے دریاؤں میں برطانی جہاز نہیں جا سکتے، اور وہ بہت وسیع ملک ہے۔ اس کے بعد ایشیا میں انگریزوں کے لئے صرف دو ملک بچ جاتے ہیں۔ ہندوستان اور ٹرکی۔ مگر ٹرکی اور ایران کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اور افغانستان کو ٹرکی اور ہندوستان کا ساتھ دینا چاہئے۔ اگر مذہب کا سوال بالکل چھوڑ دیا جائے صرف اس نقطۂ نظر سے دیکھو کہ دونوں مشرقی قومیں ہیں، تو ترک اور ہندوستانی، دو قومیں ایسی ہیں، جن کو فطرتاً حلیف ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہی دونوں قومیں اپنے کو مغربی دشمنوں سے بچانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ دونوں کی مصیبتیں ایک سی ہیں۔ اس لئے دونوں میں ربط ضبط بھی خوب ہونا چاہئے۔ مسلمانوں کے واسطے تو کسی ملک میں بسنا یکساں ہے۔ اُن کا تو اصول ہے کہ سب فرزندِ آدم ہیں۔ اور سب انسان بھائی بھائی ہیں ان کو تورانی اور آرین میں تقسیم کرنا مضحکہ خیز ہے۔ اُن کی قومیت کا معیار ایسا ہے کہ تمام دنیا پر حاوی ہے، اور وہ سب سے ہمدردی کر سکتے ہیں۔ ایک ہندوستانی اور انگریز بھی دستِ رفاقت بڑھا سکتے ہیں۔ اگر ان کے اصول اور مطمحِ نظر بھی ایسے ہی مشترک اور وسیع ہوں یہ "اتحادِ اسلامی" کا بھی بہت طومار باندھا گیا ہے۔ اگر "اتحادِ اسلامی" کوئی مذہبی اصول نہیں ہے، تو مسلمانوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اگر ان کے مذہبی اصولوں میں شامل ہے تو اس کو چھوڑیں گے نہیں، خواہ

وہ دنیا کے نزدیک جُرم ہو یا نہ ہو۔ میں پوچھتا ہوں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے؟ کہ "مسلمان کبھی قوموں پر حملہ کرنے کے لئے متحد ہوئے ہوں": صرف ایک مرتبہ وہ متحد ہوئے ہیں۔ اور صلیبی جنگوں کا معاملہ تھا جس میں مصری اور کرڈ نے مدد کی۔ اس وقت بھی تمام اسلام ایک طرف نہیں تھا۔ برخلاف اس کے پوپ نے عیسائیوں کے گناہ بخشدیئے اور خواہ وہ انگلستان کے ہوں یا برّاعظم یورپ کے۔ انھوں نے پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں پر حملہ کرکے ان کو ستایا اور لوٹ لیا۔ اس کے بعد یورپ والوں نے مختلف قسم کے "کالے، پیلے اور بھورے" خطرے پیدا کیئے۔

جنگِ افغان کے ابتداء میں انگریز کہتے تھے کہ افغانستان نے ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ کھودیئے، مگر میں کہتا ہوں کہ، افغانستان نے اپنی آزادی حاصل کرلی اور اس آزادی کا وہ بہت اچھا استعمال کررہے ہیں۔ اور اِسی لئے اُن سے آج ہر شخص خوف کھاتا ہے اور خصوصاً ہندو بہت ڈرتے ہیں۔

افغانوں سے ڈرنا نہیں چاہئے

مہاتما گاندھی افغانوں سے نہیں ڈرتے، اور نہ کسی ہندو کو ڈرنا چاہئے بشرطیکہ وہ بزدل نہ ہو۔ مجھے تو شرم آتی ہے کہ بتیس کروڑ ہندو ایک کروڑ افغانیوں سے ڈریں۔ صرف چندہی روز ہوئے کہ افغانستان سے مجھے ایک خط مِلا جس میں درخواست کی گئی تھی، کہ کچھ گریجویٹ اور انڈر گریجویٹ ریاضی سکھانے کے لئے افغانستان بھیجدو۔ خواہ یہ ہندو ہوں، یا مسلمان۔ ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہوئے ہوں، یہ صرف اَمرِ اتفاقی ہے کہ اسلامی جمہوریت پر ایک سلطان ہے۔ کروڑوں مسلمانوں

کی طرف سے ترکوں نے اسلام کی حفاظت کی اور اس لئے انھیں خلافت نصیب ہوئی کیونکہ وہ سب سے زیادہ طاقتور تھے۔ اگرچہ مسلمان ہمیشہ دنیاوی طاقت پر بھروسہ نہیں کرتے۔ مگر بعض اوقات انھیں اس طاقت سے کام لینا پڑتا ہے مسلمانوں کو ایک ایسی فوج کی ضرورت ہے۔ جو اس حکومت کو بچائے جو خدا کی ہے، اور جو دنیاوی حکومت سے کہیں زیادہ عزیز ہے ہمیں خدائے کریم کے سامنے وفاداری ثابت کرنی ہے اور وہ وفاداری اُس وفاداری سے کہیں زیادہ ہے۔ جس کا وجود محض کاغذ پر ہے۔

پُرامن کب تک رہیں گے

عراقِ عرب کے سلسلہ میں مقدس دیانت کے نام سے مسٹر لائڈ جارج نے مسٹر لائڈ جارج سے حکم برداری مانگی، اور مسٹر لائڈ جارج نے مسٹر لائڈ جارج کو عنایت کردی (قہقہہ) یہ ہے اصل حقیقت اس حکمبرداری کی۔ میں پُرامن تارک موالات ہوں لیکن اگر ترک موالات کی تحریک ناکام رہی تو میں جیساکہ پہلے کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں اب پھر کہتا ہوں، کہ ہم جنگ سے کام لیں گے۔ کیونکہ ہم بھی خدا کی طرف سے اپنے مذہب کے حکمبردار ہیں۔ یہ حکمبرداری ہمیں خدائے کریم نے سونپی ہے۔ ہم میں سے کوئی اگر اس حکم برداری کے ساتھ جنگ نہ کرے، تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔

شیطانی خدمت

آئی اُس کا سب سے بڑا شیطانی ہاتھ

لکھنؤ میں یہ تقریر محمد علی نے جولائی ۱۹۲۱ء میں کی، اور اُن غلط فہمیوں کو رفع کیا، جو ان کے بیانِ صفائی سے حکومت، اور اُس کے حاشیہ نشینوں نے عوام کے دلوں میں غلط طور پر پیدا کر رکھی تھیں۔

"مُرَتّب"

برادرانِ ملّت و وطن!

مارچ کے آخر میں بیزاودہ (مدراس) کے مقام پر جب آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا آخری اجلاس منعقد ہوا۔ تو برادرانِ ملک و قوم کے سامنے یہ مسئلہ درپیش تھا، کہ اس "شیطانی گورنمنٹ" کا جو سب سے زیادہ "شیطانی ہاتھ" ہے۔ یعنی یو۔ پی گورنمنٹ، اس کو کس طرح قلم کیا جائے؟ بیزاودہ کے جلسہ میں یہ سوال اُٹھایا گیا کہ، لوگوں کو سول ڈس او بے ڈی انس (سول نامتابعت) شروع کرنے کی اجازت دی جائے۔ یعنی جب جابرانہ احکام حکومت کی طرف سے جاری ہوں اور انھیں نہ مانا جائے، اور حکّام سے کہہ دیا جائے کہ، "جو کچھ تمہارا جی چاہے تم کرو، جو کچھ ہمارا جی چاہے گا ہم کریں گے۔"

سِول نافرمانی

کانگریس کمیٹی کے بہت سے ارکان اپنے دماغ میں یہ خیال لے کر گئے تھے۔ اور اِس پر مُصِر بھی تھے۔ پھر بھی "سول نافرمانی" کی تجویز کیوں ترک کردی گئی؟ اِس کا سبب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ ترک کرنے والوں میں سے ایک میں بھی تھا۔ سبب یہ تھا کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ اور جو مِنٹو صاحب کی طرح گشت نہیں لگاتے رہتے، کہ پہلے یہاں تھے اور پھر فارین سکریٹری ہو کر شملہ گئے پھر تعلیم کی ممبری کا نیا عہدہ قائم ہوا تو اس پر چلے گئے، اس کے بعد برہما کی لفٹنٹ گورنری خالی ہوئی، تو اس صوبہ سے کوئی پہلا تعلق نہ ہونے کے باوجود وہاں تشریف لے گئے اور یہاں کی لفٹنٹ گورنری خالی ہونے پر پھر اس صوبے میں آگئے۔ اور اپنی سروس کا زمانہ ختم کرکے بہ آرام ولایت میں جا بیٹھیں گے۔ ہم لوگوں کی یہ حالت نہیں۔ ہم لوگ اسی ملک میں پیدا ہوئے ہیں، ہمارا "نال" یہیں گڑا ہے۔ اور ہماری آرزو ہے کہ یہیں مریں، اور اسی زمین میں دفن ہوں، یہیں کی خاک میں ہماری خاک ملے۔ اور اگر ہماری نعش کو جلایا جائے تو ہماری راکھ یہیں گومتی یا گنگا میں بہائی جائے۔ اِس لئے سب سے بڑی ذمہ داری ہماری ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ہم خدا پرست ہیں۔ طاغوت پرست نہیں ہیں۔ اگر ایک قطرہ خون بھی بیجا طور پر گرے، تو اس کی ذمہ داری مشورہ دینے والے کے ذمہ ہوگی۔ ہم کو میدانِ حشر میں حساب دینا پڑے گا، اِسی لئے ہم مجبور ہیں۔

ہماری حکومت کا عجب رنگ ہے، اس کے ہاتھوں میں جلیان والا باغ

کا خون لگا ہوا ہے۔ پھر بھی ابھی تک اس نے خدا سے یا ہندوستانی قوم سے کوئی معافی نہیں مانگی ہے۔ اگرچہ بہ ظاہر وہ خونریزی سے کانپتی ہے، حالانکہ خونریزی کا اصل میں ڈر ہم کو ہے۔

امن کا باعث کون ہے

میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ آج اس ملک میں جو امن و امان قائم ہے۔ وہ مہاتما گاندھی کے باعث ہے۔ اور ان کے ساتھ کام کرنے والوں کے باعث ہے۔ جو ایسے سخت جوش و غصہ کی حالت میں بھی لوگوں کو صبر و سکون کی ترغیب کرتے اور تشدد سے روکتے ہیں۔ نہ کہ حکومت کے خوف سے جو لوگوں کے دلوں سے دور ہو چکا ہے۔ اس کے بعد یہ مسئلہ (آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے گذشتہ اجلاس کے روبرو) پھر بمبئی میں پیش ہوا، اور کئی سمتوں سے اس پر زور دیا گیا۔ مگر مہاتما گاندھی جی نہ مانے۔ مہاتما جی نے یہ فیصلہ کیا کہ "ملک اب بھی تیار نہیں ہے"۔ میں اس راز کو فاش کر دینا چاہتا ہوں کہ جو فیصلہ وہ کرنا چاہتے تھے وہ کچھ اور تھا۔ مگر مہاتما جی پر ان حادثات تشدد کا اثر پڑا جو علی گڑھ میں پیش آئے۔

علی گڑھ کے متعلق جہاں یہ ایک حقیقت ہے کہ پولیس نے لوگوں کو چھیڑنے کی ابتدا کی۔ مظاہرہ کرنے والوں کو لٹھ مارے گئے، یہ کہہ کر کہ "سوراج لو"۔ میں علی گڑھ کے پولیس والوں سے کہہ آیا ہوں کہ "جس دن سوراج کا سورج روشن ہوگا اور اس حکومت کو مٹا دے گا جو لوگوں کے جذبات سے لاپرواہ ہے، اور جس کو اپنی مادی قوت کا غرہ ہے، اس وقت میں اپنے ان پولیس والے بھائیوں

سے پوچھوں گا، کہ کیا تم چاہتے ہو کہ اب بھی غلامی میں رہو؟ اگر یہی خواہش ہے، تو میں انگریز گورنمنٹ سے کہوں گا کہ تم ہند میں چار بالشت زمین پر اپنا راج قائم رکھو، اور اپنے ان عقیدت مند دل کو سوراج سے محروم کر دو! الغرض اگرچہ علی گڑھ میں پولیس اور حکام کی طرف سے زیادتیاں ہوئیں۔ مگر ان سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ ڈاک خانہ کو جلانے والے علی گڑھ کے لوگ تھے، اگرچہ گورنمنٹ نے اس واقعہ پر خلاف واقعہ باتوں کی ایک عمارت کھڑی کر لی ہے۔ مگر علی گڑھ کے رہنے والوں سے بھی بعض ایسی حرکات سرزد ہوئیں جو قانون کے علاوہ ہمارے اصول کے بھی خلاف تھیں۔ اس کا مہاتما جی کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ ملک اب بھی سول ڈس اوبی ڈینس نافرمانی و نہ متابعت، سول قوانین کے عملدرآمد کے لئے تیار نہیں ہے۔

میں لکھنؤ میں جو اس صوبہ کا عملی دار الصدر ہے۔ یہ کہنا چاہتا ہوں، کہ وہ میں تھا جس نے مہاتما جی سے کہا کہ "آپ کو لوگوں کی خواہش کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے پس یہ قرار دیجئے کہ جس علاقہ کے لوگ نامتابعت شروع کرنی چاہیں، اس بارہ میں اپنی دلی خواہش اور پوری قابلیت کا اطمینان دلادیں۔ تو وہ ایسا کر سکیں۔ پس اگر آپ (حاضرین جلسہ) چاہتے ہیں کہ اپنی مقامی حکومت کی ان کارروائیوں کے برخلاف پُر زور احتجاج کریں۔ جو اس وقت آپ کے ہندوستانی کونسلر اور منسٹروں کے ماتحت کی جارہی ہیں۔ تو آپ کو اس کا ثبوت دینا ہوگا، کہ آپ امن و سکون کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا اور اپنی غلطی سے حکام کو جبر و تشدد اختیار کرنے کا موقع دیا۔ تو اس کا نتیجہ بہت برا نکلے گا۔ انگریز حکام تو اپنی سروس کا زمانہ ختم کر کے باہر چلے جائیں

گے۔ مگر ان ہنگاموں میں جو آپ کے غلط طریقے اختیار کرنے کے باعث برپا ہوں گے، خون ہمارا گرے گا۔ عورتیں ہماری بے آبرو کی جائیں گی +

دفتری اقتدار کا زور

اس وقت دو صوبے ہیں۔ جن میں سول سروس کی پوری حکومت ہے۔ پنجاب اور صوبجاتِ متحدہ۔ پنجاب میں، "ڈڈ ڈائرشاہی" اور "ڈڈ اوڈوائیر شاہی" ہو چکی ہیں۔ اس کے اثرات نے مٹانے کی کچھ کوشش کی جا رہی ہے (سر ایڈورڈ) میکلاگن صاحب اس مزاج کے نہیں جس کے ڈائیر و اڈوائیر تھے۔ مگر وہاں بھی سکھوں اور ہندوؤں میں بدمزگیاں رونما ہیں۔ یہ وہی پرانا نسخہ ہے جو ڈیڑھ سو برس سے کارگر ثابت ہو رہا ہے۔ مگر سب سے زیادہ سول سروس کی حکومت ہمارے صوبہ میں ہے (سر ہارکورٹ بٹلر صاحب)[۲] سکھانا چاہتے ہیں کہ ماتحت قوموں پر کس طرح حکومت کرنی چاہیے۔

"انڈی پنڈنٹ"[۱] میں ایک جواب چھپا ہے، جو ہمارے صوبہ کی قانونی کونسل میں ایک سوال پر دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ ایک شخص اس لئے معطل کیا گیا کہ اس کا بیٹا ترکِ موالات میں شامل تھا۔

میرے دل میں راجہ صاحب (آنریبل سر راجہ صاحب محمود آباد مرحوم ممبر) کی بڑی محبت تھی۔

میں ان قربانیوں کو دیکھ چکا تھا۔ جو (لارڈ) ہیسٹن[۳] کے وقت میں انھوں نے کی تھیں

۱؎ موتی لال نہرو کا اخبار جس کے ایڈیٹر سید حسین مرحوم تھے، جو بعد میں ہند کی طرف سے مصر کے سفیر بھی مقرر ہوئے تھے۔ ۲؎ بٹلر سے پہلے یو پی کے گورنر تھے، ان ہی کے عہد میں (بقیہ ص ۱۳۲)

اب بھی میرے دل میں ان کی محبت ہے۔ میں جانتا ہوں، کہ وہ ملک و قوم کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔ اور عمداً و قصداً کسی کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ مگر وہ دوسروں کو اپنی طبیعت پر حاوی ہو جانے دیتے ہیں۔ تصدق احمد خاں شیروانی کی گرفتاری دسزا بھی قابلِ ذکر ہے۔ ان کی پورے ڈیڑھ گھنٹے کی تقریر چھیرہ میں ہوئی۔ ایک معمولی کانسٹبل نے ایک صفحۂ فولسکیپ پر کل تقریر لکھ لی۔ اور ایسے نوٹ لئے کہ تصدق احمد خاں چاہتے بھی تو نہ بول سکتے۔

جب ان کو معلوم تھا کہ بیت المقدس میں تشدد ہوا، تو وہ کیوں کہتے، کہ کہ میں مظالم ہوئے۔ البتہ انھوں نے گورنمنٹ کے خلاف کہا۔ وہی کہا، جو کچھ میں اور مہاتما گاندھی کہتے ہیں۔

ہمارا یہ بیان ضرور دفعہ ۱۲۴ (الف) کے ماتحت آتا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ گورنمنٹ کے خلاف بد دلی پھیلائی جائے۔ تاکہ اس کی اصلاح ہو اور اگر اصلاح نہ ہو سکے تو اُس کو ختم ہو جانا چاہیئے۔

بیانِ صفائی

اسی عقیدہ کے ماتحت میں نے وہ بیان لکھا۔ جس کو "معافی نامہ" کہا جاتا ہے اور جس کو اسکول کے بچوں تک پہنچایا گیا ہے، کہ دیکھو! یہ ہیں وہ تمھارے سوراج

(بقیہ صفحہ ۱۱۵)۔ کانپور کی مسجد کا ایک حصہ منہدم ہوا تھا۔ اور سارے ہند کے مسلمان کفن سر سے باندھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ راجہ صاحب محمود آباد نے اس موقع پر بے تامل عامۃ المسلمین کا ساتھ دیا۔ اگرچہ ہر لمحہ تعلقہ کی ضبطی کا خطرہ تھا۔

گورنمنٹ کے سامنے ناک رگڑتے ہیں۔ حالانکہ ہم تو گورنمنٹ سے بھی ناک نہیں رگڑوانی چاہتے اور اگر وہ اپنے افعال پر معذرت کرنے کو آمادہ ہو، تو ہم ضرور اس کو قبول کرنے کو تیار ہیں۔ اب میں دو لفظ اس کے متعلق کہنا چاہتا ہوں، کہ اس معافی کی اصلیت کیا ہے۔ میں نے اِس ملک کے لئے کچھ قربانی کی ہے، اور اس سے اپنی محبت کا کسی قدر ثبوت دیا ہے۔

پس جب مہاتما گاندھی جیسا خدا کا پکا بندہ مجھ سے ایک بات کہے، تو میں انکار نہیں کر سکتا۔ اب تک جو ہندو مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہوا تھا، وہ اِس لئے کہ کوئی مہاتما گاندھی جیسا آدمی پیدا نہیں ہوا تھا۔ جب ہم نے دیکھ لیا، کہ یہ شخص مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا، تو ہم نے اس پر اعتماد ظاہر کیا۔ جب کفارِ مکّہ جیسے شقی القلب اشخاص کی نسبت یہ حکم آیا کہ "اگر وہ صلح کی طرف بازو جھکائیں، تو تم بھی جھک جاؤ" پھر ہم گاندھی جی جیسے خدا پرست و رحمدل شخص کی طرف کیوں نہ جھکتے۔ بے شک ہمارا بھروسہ خدا پر ہے، گاندھی مہاراج پر نہیں ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بات بھی مدِنظر ہے کہ گاندھی مہاراج بھی خدا کے بھروسہ پر کام کرتے ہیں۔ پس جب ان کی بدولت ہندو مسلمانوں میں اتحاد ہوا، تو بعض حلقوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ اسی پرانے نسخے سے کام لینے کی تجویز ہوئی، جب حکام کسی شخص پر دفعہ ۱۲۴ لگاتے ہیں اور رعایا کے دو فرقوں میں باہم بدمزگی و فساد پیدا کرنے کا ملزم ٹھہراتے ہیں تو مجھے ہنسی آتی ہے، کہ آخر ڈیڑھ سو برس سے اس ملک میں اور کیا ہوتا رہا ہے۔ یہ نسخہ کبھی رہ بھی جاتا ہے، مگر چونکہ حکیم کے پاس یہ ایک ہی مجرب و روایتی نسخہ ہے اس لئے مختلف بدرقوں کے ساتھ اور مختلف طریقوں سے وہ اسی کو برتنا چاہتا ہے چنانچہ

سر ولیم ونسنٹ بہادر نے جو اس وقت سول سروس کے مقتدا ہیں۔ جو لارڈ چیمسفورڈ کے رہنما بنتے تھے، اور اب لارڈ ریڈنگ کے رہنما بننا چاہتے ہیں۔ کونسل میں کہا، کہ مہاتما گاندھی جی تو بڑے اچھے آدمی ہیں۔ فساد نہیں چاہتے۔ البتہ ذرا شکی ہیں۔ مگر ان کے ساتھ جو یہ دو بھائی ملک میں پھرتے رہتے ہیں، ان کی حالت دوسری ہے۔

افغانی حملہ

اس کے بعد اس نسخہ کے استعمال کی غرض سے تیاریاں شروع ہوئیں، اور مجھ پر یہ الزام لگایا گیا کہ "میں افغانوں سے ہندوستان پر حملہ کرانا، اور ہندوستان کے مسلمانوں کو ان کی امداد پر اُبھارنا چاہتا ہوں۔" میں نے افغانی حملہ کی بابت کوئی لفظ لکھا، اس کا خیال ہی کبھی میرے دل میں آیا۔ البتہ اہل مصر و طرابلس و شام کی طرف سے جن کے نمائندہ اشخاص سے میری یورپ میں ملاقات ہوئی تھی۔ جو پیام ہندوستانی مسلمانوں کے واسطے میں لایا تھا۔ اس کو بیان کیا تھا۔ وہ پیام یہ تھا کہ بھائیو۔ اگر ہم کو آزاد کرنا چاہتے ہو تو خود آزاد ہو جاؤ، یہی بہترین طریقہ ہماری امداد رسانی کا ہے۔ بھلا جب میرا یہ خیال تھا، تو میں کس طرح اس کی خواہش کر سکتا تھا، کہ افغانستان سے پٹھان فوجیں آئیں اور اس ملک کو پامال کریں۔ مگر سر ولیم ونسنٹ نے کہا اور ادھر سر سوامی آئیر پکارے۔

ہم باہر کی کسی قوم کا حملہ ہندوستان پر گوارا نہیں کر سکتے، خواہ افغان ہوں یا کوئی یورپین قوم ہو۔ مگر افغانی حملہ کی نوعیت کو ضرور دیکھا جائے گا۔ اگر ملک گیری کی ہوس یا مالِ غنیمت کی حرص سے ہندوستان پر حملہ کیا گیا۔ تو ہم ہرگز افغانوں کو

ہندوستان کی سرحد میں قدم نہ رکھنے دیں گے، اور اس حملہ کی مدافعت اپنا ملکی فرض سمجھیں گے۔ لیکن اگر افغانستان کا حملہ ہندوستان پر نہیں ہے۔ بلکہ اُس گورنمنٹ پر ہے، جو ہندوستان کے روپئے سے بیت المقدس و ممالکِ اسلام میں دخل و تصرف حاصل کرنے کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ اور ہندوستان میں لوگوں پر ہر قسم کا جبر و تشدد روا رکھتی ہے۔ جیسا کسی قدر بڑے پیمانہ پر پنجاب میں ہوا اور چھوٹے بڑے پیمانے پر تمام صوبوں میں ہوا، اور ہو رہا ہے۔ اور حملہ آور ہم کو اس حکومت کی ماتحتی سے چھڑانا چاہتے ہیں۔ تو ہمارا فرض ہے کہ نہ صرف ان کے برخلاف حکومت کو امداد دینے سے محترز رہیں، بلکہ مجاہدین اگر ہمارے قریب ہوں تو ہر ممکن مدد اُن کو پہنچائیں۔ یہی میرا عقیدہ اس وقت تھا، جب وائسرائے کو میں نے خط لکھا تھا، اور یہی اس وقت ہے۔

حکومتِ مدراس و حکومتِ یو۔پی

میں نے مدراس میں جو تقریر کی تھی، اس پر حکومتِ مدراس نے اپنے قانونی مشیروں سے مشورہ لینے کے بعد قرار دیا کہ "مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا" مگر خود میرے صوبے میں مجھ پر مقدمہ چلانے کی اجازت میرے نام کے اُلٹے نام[1] کی طرف سے دیدی گئی ہے۔ اگر مقدمہ چلا تو میں عدالت میں کہوں گا کہ "یہی مذہب (مسز) راجہ صاحب محمودآباد کا ہے۔ اور یہی عقیدہ ان کا بھی ہونا چاہئے۔ میری مدراس والی تقریر پر سوا ئے (مسز اینی بسنٹ) کے کسی نے مخالفانہ آواز نہیں اُٹھائی۔

جتنی جماعت اس وقت آپ کی ہے، اس سے پانچ چھ گنی زیادہ مدراس میں

[1] دیکھو صفحہ ۱۳۶-

ساحل پر تھی، اور اس میں ۱۵۔۲۰ فی صدی کے سوا سب ہندو تھے۔ جس وقت میں نے کہا کہ اگر مجاہدین ہمارے قریب آئے تو ان کو امداد دینا ہمارا فرض ہے تو سارے جلسے کے تمام ہندوؤں نے کہا کہ ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ تعجب ہے کہ تقریر تو کی جائے مدراس میں۔ اور اس کی وجہ سے مجھے گالیاں دی جائیں، ممالکِ متحدہ میں ہمارے صوبہ کا کیسا اچھا نام ہے "ممالکِ متحدہ"۔ مگر اربابِ اقتدار کے کام اتحاد کے خلاف ہیں۔

حملہ کیونکر ہوگا؟

افغانی حملہ کے خیال سے میرے بعض ہندو احباب خوفزدہ ہوئے یا خوفزدہ کر دیئے گئے۔ میں نے بعض دوستوں سے کہا، کہ تم نے جغرافیہ بھی پڑھا ہے۔ افغان اگر آئیں گے تو پہلے دریائے کابل کو عبور کر کے پشاور پہنچیں گے، جہاں قریب قریب مسلمانوں کی آبادی ہے۔ پھر انھیں پنجاب کے ۵ دریاؤں کو عبور کرنا پڑے گا۔ وہاں بھی کثیر آبادی مسلمانوں کی ہے، اِس طرح پہلے مسلمان پامال ہوں گے۔ اس کے بعد وہ جمنا و گنگا کو عبور کر کے کہیں یہاں تک پہنچیں گے، آپ ایسے بزدل کیوں ہو گئے، کہ حملے کے خیال سے آپ کی روح فنا ہوتی ہے۔ بات یہ ہے کہ گو برادرانہ اتحاد کے دعوے کئے جاتے ہیں، مگر دلوں میں چور ہے، ہندو اپنے دل میں خوف زدہ ہیں کہ سوراج ہوا تو مسلمانوں کا راج ہو جائے گا۔ دوسری طرف مسلمان اپنی جگہ کانپ رہا ہے کہ سوراج کے معنی ہندو راج کے ہیں۔

ریاضی کا ایک عقدہ ہے، کہ دو سانپوں نے ایک دوسرے کو نگلنا شروع کیا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) محمد علی کے مقابلہ میں علی محمد (راجہ محمود آباد، ہوم ممبر یوپی)۔

یہاں تک کہ ایک دوسرے کے منہ سے ملکر ایک حلقہ بن گیا۔ جب اس قسم کا حلقہ ہمارے ملک میں ہندو مسلمانوں کی باہمی پیوستگی سے بن جائے گا۔ اس وقت کہیں ہماری مشکلات حل ہوں گی۔ ابھی تو آپ کو سخت مرحلوں سے گذرنا ہے۔ ہشتخوان کو طے کرنا ہے۔ آپ کو اتحاد کا نہایت سخت امتحان دینا پڑے گا۔ آج دسہرہ ہے۔ کل بقر عید ہے، یہ آپ کے اتحاد کی آزمائش کے موقعے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے مولوی اور شاستری ان موقعوں پر اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ بات جب ہے کہ ان موقعوں پر آپ ثابت قدم رہیں۔

اظہارِ معذرت کی ابتدا

بہرحال نام نہاد معذرت کی ابتدا کیوں کر ہوئی۔ اِس طرح کہ مہاتما جی کو پنڈت مدن موہن مالوی جی کا خط ملا۔ وہ مئی کا مہینہ تھا۔ پنڈت جی نے لکھا تھا۔ کہ وہ بیمار ہیں۔ گر مہاتما جی سے ملنے کے لیے بے قرار ہیں۔ اگر بیمار نہ ہوتے تو خود شملہ سے اُتر کر بنارس آتے۔ یہ بھی لکھا تھا کہ لارڈ ریڈنگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں اُس کے ساتھ یہ فقرہ بھی تھا۔ کہ میں اپنی ذمہ داری پر آپ کو لکھتا ہوں۔ یہ خط جب مہاتما جی کو ملا۔ تو اُن کے دل پر اثر ہوا اور انھوں نے شملہ کا سفر اختیار کیا۔ ان کا تو قول ہے۔

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

اگر میں ہوتا، تو میں بھی تیار ہو جاتا، کیوں کہ سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ حاکم جابر کے دربار میں جاکر بے خوف اس کو کلمہ حق سُنائے۔ دوسرے مہاتما جی کو اپنے مقصد و سوراج سے عشق ہے اور اس کو حاصل کرنے کی غرض سے وہ سب کچھ کرنے کو طیار ہیں۔

اس نقشِ پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا!

سب یہ چاہتے تھے کہ صلح ہو جائے۔ پھر بھلا تا جی کیوں نہ جاتے۔ خیر بہا تا جی جب ہز اکسلنسی لارڈ ریڈنگ سے ملے تو پہلے ملاقات ۴½ گھنٹے کی ہوئی۔ باوجود اتنی دیر کے ہمارے اوپر مقدمہ چلانے کا ذکر درمیان نہیں آیا۔ ہم پر مقدمہ چلانے کی منظوری ۴ مئی کو دیدی گئی تھی۔ ایسی منظوریاں ہوتی رہتی ہیں، جنسے دھمکی دینے کے سوا کوئی مقصود نہیں ہوتا۔ بنگال میں رسم ہے کہ جب بہو پہلے دن گھر میں آتی ہے تو گھر کی مالکہ بٹی کو زد و کوب کرتی ہے۔ یہی حالت گورنمنٹ کی لوگوں پر مقدمہ چلانے کی منظوریوں کی ہے۔ خیر، مئی کو جب میں الہ آباد جانے کے ارادے سے علی گڑھ سے نکلا، تو کانگریس و خلافت سے خبریں آچکی تھیں کہ اس ضعیف البنیان کی گرفتاری کے لئے بارہ ہزار فوج وہاں بلائی گئی ہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ غنیمت ہے۔ ہمارے صوبہ میں زندگی پیدا ہونے لگی۔

خدا اثرابتِ ناداں دراز مِن تو کرے
ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن کرے

میری لڑکیاں میری گرفتاری کی مشتاق تھیں

میری چھوٹی بچیوں نے صرف ایک گرفتاری (جھنڈ واڑہ میں) میری دیکھی تھی، جب کہ رمضان کے ایام میں رات کو ہمیں آکر جگایا گیا تھا۔ اور ہماری کوٹھی کا محاصرہ کیا گیا تھا۔ ان کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ میری گرفتاری کا تماشہ دیکھنے کا شوق تھا۔ اس لئے میں ان کو ساتھ لے گیا تھا۔ امید تھی کہ اسٹیشن پر فوج کی طرف سے شاندار استقبال ہوگا

اور ہتھکڑیاں، بیڑیاں ڈال کر مجھے اکبر کے قلعہ یا کسی اور مقام پر جگہ دی جائے گی۔ مگر افسوس کچھ بھی نہ ہوا۔ میری بچپن کا شوق پورا نہ ہو سکا۔

تھی خبر گرم غالب کے اڑیں گے پُرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

اگر مجھے قید کا خوف ہوتا تو میں الہ آباد نہ جاتا۔ میں دنیادی حکام کے سب زور دیکھ چکا اور مصلحت پرستوں کی تمام باتیں سُن چکا۔ وہ مرحلے طے ہو گئے۔ اب مجھے نہ کسی کے جبر کا خوف ہے۔ نہ اس معاملہ میں کسی کی نصیحت کارگر ہو سکتی ہے۔

کیا دھرا ہے عقل میں جز حیرت و سرگشتگی
پھرے ہوں پابند اس کا میں وہ دیوانہ نہیں

میں دیکھ چکا تھا کہ محبت سے زیادہ نحیف و ناتوان جیل خانہ میں برسوں کی قید کاٹ کر صحیح و تندرست نکلے اور جو لوگ خوب توانا و تندرست تھے، وہ مر گئے۔ پس میں کس بات کا خوف کھاتا۔

میں اُن کی دھمکیوں کا جواب الہ آباد میں دے چکا ہوں۔ پھر اس کی وجہ سے میں کب معذرت لکھنے پر مائل ہو سکتا تھا۔ آپ کو معلوم بھی ہے وہ "معذرت" کہاں کہاں گئی ہے۔ یورپ کا کوئی اخبار کسی زبان کا بمشکل ایسا ہوگا۔ جس میں اس کو حاشیہ آرائی کی ساتھ نہ چھپوایا گیا ہو۔ خیر۔ مہاتما جی سے اول روز ۱½ گھنٹے گفتگو میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اب دوسرے دن بھی ۲½ گھنٹے گفتگو میں سوا دو گھنٹے تک کوئی تذکرہ نہیں آیا۔

شملہ میں کس طرح ذکر ہوا

شملہ پر اس طرح ذکر ہوا کہ جب مہاتما جی واپس آرہے تھے اس وقت اُن سے ہز ایکسلنسی

وائسرائے نے کہا کہ "یہ تو ٹھیک نہیں، آپ خون ریزی نہیں چاہتے، مگر آپ کے ساتھی ایسے نہیں ہیں۔ وہ اشتعال دلاتے ہیں" مہاتما جی نے کہا "اگر میرے ساتھیوں میں سے کوئی ایسا کرتا ہے تو میں اس سے قطع تعلق کر لوں گا، یا وہ بیانات واپس لینے کو کہوں گا" اسی سلسلہ میں مہاتما جی نے ہم دونوں بھائیوں کی نسبت تفصیل کے ساتھ اظہار خیالات کیا، اور کہا کہ "وہ اپنے مذہب کے شیدائی ہیں اسلام کے تمام احکام کو مانتے ہیں۔ مگر اس وقت میرے پروگرام پر عامل ہیں، جو میرا مذہب ہے وہ اُن کی پالیسی ہے" وائسرائے نے کہا "میں ان کو نہیں جانتا،" مہاتما جی نے کہا "آپ ان سے مل کر خوش ہوں گے" بعد ازاں مہاتما جی نے کہا کہ ان کی کس بات پر آپ کو اعتراض ہے۔ تو ایک طویل نامۂ اعمال ان کے روبرو پیش کیا گیا۔ یہ ہماری یوپی کی تقریریں تھیں۔ مہاتما جی نے کہا کہ ان میں سے بعض تقریریں میں سن چکا تھا بعض نہیں سُنی تھیں۔

وائسرائے سے اُس وقت مہاتما جی نے کہا کہ اشتداد کی ترغیب تو اُن کا منشأ نہیں ہے۔ مگر ماننا پڑتا ہے کہ بعض جملوں سے اس کے معنی نکل سکتے ہیں۔ لہٰذا جب میں نیچے اتروں گا تو ان سے کہوں گا، کہ اس تیزی کو واپس لے لیں اس وقت ایک لفظ بھی (ہز ایکسیلنسی) وائسرائے یا (جناب) پنڈت جی کی زبان سے نہیں نکلا، کہ ان تقریروں پر مقدمہ چلایا جانے والا ہے۔ میرے سردار نے میں فخریہ کہتا ہوں کہ میرے سردار (مہاتما جی) نے میری اطاعت شعاری پر بھروسہ کر کے وائسرائے سے اظہار کر دیا کہ وہ اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ اس تحریک کی تائید کے لئے جس کے وہ رہنما ہیں اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے اس خیال کی تردید کرائیں۔ جو لارڈ ریڈنگ کا تھا۔ جب وعدہ کر چکے تو میں ان سے انکار کر دیتا؟ میرے ضمیر نے انکار نہیں کیا جو کہ

انکار کیا اس کا بھی پردہ فاش کرتا ہوں (ہز ایکسیلینسی) وائسرائے سے اس کا اطمینان ہو گیا کہ وہ ہم سے اظہارِ افسوس کرائیں گے۔ تقریر کے "فقروں اور جملوں" پر نہیں۔ بلکہ اس کی "تندی و گرمی" پر۔ اس وقت لارڈ ریڈنگ نے اول مرتبہ ذکر کیا۔ کہ حکومتِ ہند ۹ مئی کو علی برادران پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ خیال کیجئے کہ مہاتما گاندھی کے وعدہ کر لینے کے بعد مقدمہ چلنے کا ذکر ہوا۔ اس کے ساتھ یہ کہا گیا، کہ اگر ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور سزا ہوئی۔ اور مقدمہ چلنے کے بعد سزا ہونی لازمی ہے۔ تو اُس وقت ملک میں فساد بھڑک اُٹھے گا اور خون ریزی ہوگی۔ پس اگر آپ ان سے اقرار کرا دیں تو ہم حکم مقدمہ منسوخ کرا دیں۔ یہ گویا ایک "ترپ کا پتہ" تھا۔ جو آستین میں سے وقت پر نکالا گیا۔ حالانکہ اس سے پہلے ہی الہ آباد میں گرفتاری کے انتظامات ملتوی ہو چکے تھے۔ مگر خدا بھلا کرے، مہاتما گاندھی کی خدا پرستی کا۔ کہ انھوں نے فرمایا کہ میں ان سے اظہارِ افسوس کرا دوں گا۔

جس چیز کو گورنمنٹ "معافی" سے تعبیر کرتی ہے۔ یہ میرے اور میرے بھائی کے ذہن میں بھی نہیں۔ جو ترمیم وائسرائے نے کی اُن کو اُس کا حق نہ تھا۔ کیوں کہ اس کے مصنف میں اور میرے بھائی تھے۔ اصل بیان جو مرتب کیا گیا وہ ایک طویل تحریر تھی۔ جس میں جہاد کی تشریح اسلامی عقیدہ سے کی گئی تھی۔ اور اس کے موافق مسلمانوں کے فرائض بتائے گئے تھے۔ اس کے بعد بیان کا یہ حصہ تھا۔ جو شائع ہوا ہے یہ حصہ اُس سے چھوٹا تھا۔ وائسرائے نے اُس بڑے حصہ کی نسبت کہا کہ اس کو نکال دو تو اچھا ہے مہاتما جی نے اس سے انکار کیا۔ کہ "میں ان (دونوں بھائیوں) کی عزت و آبرو کا محافظ ہوں، اور یہ اُن کا مذہبی عقیدہ ہے" (ہز ایکسلینسی) وائسرائے نے کہا کہ مذہبی عقائد

مسلمانوں کے سب کو معلوم ہیں۔ اور اگر اظہار کی ضرورت ہو تو بعد میں کسی تقریر میں ظاہر کر دیا جائے۔ مہاتما جی نے فرمایا بہت اچھا۔

اعلانِ معذرت کی خاص وجہ

جب مہاتما جی کے واپس آنے پر میں نے یہ بیان دیکھا، تو دو باتیں مہاتما جی میں پائیں اوّل یہ کہ ان کو احساس ہے کہ لارڈ ریڈنگ صلح کرنی چاہتے ہیں۔ اس صلح سے ہندوستانی پبلک کو فائدہ پہونچے گا۔ مگر شاید ان بھائیوں کی وجہ سے صلح نہ ہو سکے گی۔ انھوں نے کوئی لفظ زبان سے ایسا نہیں کہا۔ مگر میں ان کے احساس قلب کو تاڑ گیا۔ دوسری بات وہ تھی جو ہندو بھائی ان کے دل میں ڈال رہے تھے، کہ آپ کا ہمارا دھرم "اہنسا" ہے حالانکہ وہ بھی ہنسا کرتے ہیں۔ خود برہمنوں کی بھی پلٹنیں موجود ہیں۔ اور یہ دونوں بھائی مسلمان ہیں۔ جن کا جہاد کا عقیدہ ہے۔ اس کے بعد افغانی حملہ کا حوالہ دیا جاتا تھا۔ پس میں نے بیان کی اشاعت میں جو کچھ کیا، وہ مہاتما گاندھی کو خوش اور مالوی جی کو مطمئن کرنے کے لئے کیا۔ میں جانتا تھا، کہ اس سے بدگمانی پھیلائی جائے گی۔ مگر میں نے اس کو گوارا کیا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جب تک میں وہ جملے اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں، میں نہیں مان سکتا، کہ اُن سے انتداد کے معنی نکل سکتے ہیں۔ مہاتما جی نے تقریروں کے لئے تار دیا (ہز ایکسیلینسی) وائسرائے نے اُن کے بھیجنے سے انکار کیا۔ مگر مالوی جی نے ایک نقل بھیجدی۔ میں نے اس کو دیکھ کر ان جملوں کی بابت کہا، کہ یہ ہمارے الفاظ نہیں ہیں، میں دستخط نہیں کرتا۔ انھوں نے فرمایا کیوں؟ بالفرض راستہ میں کوئی بچہ تم سے ڈر جائے، حالانکہ تم ڈرانا نہیں چاہتے تو کیا تم اس کو اطمینان نہ دلاؤ گے؟ یہی کیفیت گورنمنٹ کی بھی ہے۔ میں نے اِس دلیل

کو تسلیم کیا۔ معافی ہرگز گورنمنٹ سے نہیں مانگی گئی۔ اور نہ ہم اپنے اسلام کو چھوڑ سکتے ہیں اگر ابھی "بدر" کا سا واقعہ آجائے تو ہم وہ سب کچھ کریں گے، جو بدریوں نے کیا تھا، یا شہید ہو کر جنت میں جائیں گے۔ یا غازی ہو کر ہندوستان میں سوراج حاصل کریں گے مگر ہم ترک موالات "بلا اشتداد" کے حامی ہیں۔ اور اشتداد کی ترغیب اس کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے جن لوگوں کو اشتداد نظر آیا، ان کو یعنی پنڈت مدن موہن لال مالوی اور دیگر اعتدال پسند لیڈران کو اطمینان دلایا گیا۔ اگر گورنمنٹ سمجھتی ہے کہ اس سے معافی مانگی گئی۔ تو آج میں کہتا ہوں، کہ ہرگز نہیں۔ اور وہ اپنے اس "حق" کو استعمال کرنے میں آزاد ہے۔ جس کو بقول خود اس نے محفوظ رکھا ہے، خاص کر صوبہ جات متحدہ کی گورنمنٹ تو جو سلوک میرے ساتھ کرے گی، وہ دوستوں ہی کے ہاتھ سے ہوگا۔ جو میرے لئے مسرت انگیز ہے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

صلوٰۃِ عشق کا وضو

اب دوسرے کلمے میں آپ حضرات سے کہتا ہوں۔ مولانا آزاد سبحانی صاحب نے سوراج کو "خلافت" سے ملا دیا اور اس کو مذہبی عقیدہ جتا دیا۔ میں بھی ان سے متفق ہوں۔ اور حضرت رابعہ بصریؒ کے قول کے مطابق یاد دلاتا ہوں کہ صلوٰۃ عشق کا وضو "خون" سے ہوتا ہے۔ آپ سوراج کے سچے عاشق ہیں۔ تو اس نماز کا وضو کرنے کے لئے اپنی آرام طلبی و تن آسانی کا خون کریں۔ آپ کے بدن پر جو تنزیب اور ڈھڈریا کر

اُس کو اُتار پھینکیں۔ یہ ہی چیز ہے جس کی قیمت سے وہ قوت پیدا ہوتی ہے، جس نے امرتسر میں آپ کے بھائیوں کو پیٹ کے بل چلوایا۔

آپ کتنے ہیں کھدر میں گرمی لگتی ہے۔ قرآن کریم میں دوزخ کا ذکر یاد کرو اور دوزخ کی آگ سے ڈرو! جو اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ میں بمبئی میں خواتین سے کہہ آیا ہوں، کہ تم گاڑھے کی ساڑی پہننے سے گھبراتی ہو۔ شاید ایک وقت آئے گا کہ تم کو اپنی کھال اتار کر ملک کے لئے دینی پڑے گی۔ یہ تمہارا غلامی کا لباس ہے اس کو بدن سے اُتار کر پھینکدو!

خطبۂ صدارت

دہلی میواڑ، پولٹیکل کانفرنس

۲۳ نومبر ۱۹۳۲ء، بہ مقام دہلی

حضرات!

میں اپنے میں اتنی طاقت نہیں پاتا، کہ مناسب الفاظ میں اس عنایت کا شکریہ ادا کرسکوں، جو آپ نے مجھ پر دہلی پولٹیکل کانفرنس کے اس اہم جلسہ کی صدارت کا اعزاز بخش کر کی ہے۔ نہ ان تعریفی فقروں کا شکریہ ادا کرسکتا ہوں، جو معزز مقررین نے میرے متعلق ارشاد فرمائے ہیں۔

حضرات! اس کو آپ میرا انکسار نہ سمجھیں، بلکہ میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ، میں اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں پاتا۔ میری دُعا ہے کہ خداوند مجھے توفیق دے کہ میں کچھ عرصہ میں ان خوبیوں کا مستحق بن سکوں۔ میرے ایک دوست نے فرمایا ہے، کہ محمد علی بہت بڑے آدمی ہوگئے ہیں۔ شاید وہ آئندہ "صدرِ جمہوریت" بنیں یا نہیں معلوم کیا نہیں؟.. ان کی اس چھوٹی سی کانفرنس کے صدر بننے سے کونسی عزت

ہو سکتی ہے۔ میں ان کو بتانا چاہتا ہوں، کہ میری آرزو نہیں ہے کہ میں "صدر جمہوریت" بنوں۔ بلکہ میری سب سے بڑی خواہش اور تمنا یہی ہے کہ ہندوستان کو آزاد دیکھوں اور سنوں کہ ہندوستان پر "آفتاب آزادی" طلوع ہو گیا۔ جس وقت ہندوستان کی غلامی دور ہو جائے گی، مجھے اصلی خوشی اسی وقت ہو گی۔ اور اسی کو میں حقیقی عزت خیال کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اس غلامی کے دور کرنے میں، میں نے بڑا حصہ لیا ہے۔ سلطنت جمہوریت کی صدارت میں میرے لئے اتنی بڑی عزت نہیں، جتنی کہ اس ملک کی خدمت کے راستہ میں اپنے آپ کو فنا کر دینے میں ہے۔

دہلی کی فطرت

دہلی کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ یہ ہندوستان کا مرکز رہے۔ چنانچہ یہ ہمیشہ مرکز رہا۔ بارہا لوگوں نے اس مرکز کو توڑنا چاہا اور کوشش کی، یہ مرکز نہ رہے۔ مگر ہیر پھیر کے آخر کار اسی کو مرکز بنانا پڑا۔ دہلی کی ہمیشہ یہ خاصیت رہی کہ اس نے دوسرے شہروں کی رہنمائی کی ہے۔ لہٰذا اب بھی ہم دہلی والوں کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ کسی معاملہ میں ہم دوسروں کے دست نگر نہ ہوں۔ بلکہ دوسروں کو ہم اپنے اتباع کا موقع دیں۔

یہی نہیں ہے کہ آپ نے مجھے یہ فخر بخشا کہ اس جلسہ کی صدارت تفویض کر دی۔ بلکہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے آج تک کسی چھوٹے جلسہ سے لے کر بڑے جلسہ تک کی کوئی صدارت نہیں کی۔ میرا نام اس میں شک نہیں کہ مسلم لیگ کی صدارت کے لئے پیش کیا گیا تھا۔ مگر ہم دہلی والوں کی خوش قسمتی سمجھئے کہ مجھ کو اوّل صدارت یہیں کرنی تھی کہ میری قید میں اور ایک، دو سال کا اضافہ ہو گیا۔

ہم از تصرفِ بے تابی زلیخا بود
بچاہِ یوسف اگر راہ کاروان افتاد

آپ کو معلوم ہوگا۔ میں نے اپنے آپ کو دہلی والا کہا ہے۔ میں نے کہا ہے کہ ہم دہلی والوں کا فرض ہونا چاہیئے۔ اِس لئے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ کہ جب میں ۱۹ ستمبر سنہ ۱۹۱۲ء کو دہلی میں سکونت اختیار کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ تو میں نے اُس دن سے آج تک یہ خیال کیا، کہ خدا نے مجھے اِس جگہ مقرر کیا ہے، اور یہ خدمت تفویض ہوئی ہے کہ میں بندگانِ خدا کی خدمت کروں۔ یہیں سے، میں خوشی سے نہیں بلکہ طوعاً وکرہاً باہر بھی گیا۔ جہاں پانچ سال تک رہا۔ اب پھر ممکن ہے کہ وہی دن آئے۔ میں آپ سے کہوں گا، ایسے موقع پر آپ رنج نہ کریں، بلکہ میری خوشی اس میں ہے کہ آپ اس سے بھی زیادہ خوشی منائیں۔ جو آپ نے ہماری رہائی پر منائی تھی۔ میں اور میرا بھائی جس وقت رہا ہو کر یہاں آئے، اور جس جوش و خروش کے ساتھ ہمیں آپ نے مبارک باد دی۔ کوئی شخص جس نے وہ سماں دیکھا ہے، ایسا نہیں کہ بھول جائے۔ میں ایسا ناشکر گذار نہیں ہوں کہ اس کو کسی طرح بھول جاؤں۔ جو مجمع اور ہجوم اور لوگوں کا جوش میں نے چاندنی چوک میں دیکھا۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اس سے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور میں خدا کی قدرت اور شان کو دیکھتا تھا۔ اس وقت مجھے یہ خیال ہوا کہ ان کاموں کا اجر آخرت میں جو کچھ ملنا ہے۔ وہ ملے ہی گا، مگر اس دنیا میں جو کچھ ملتا ہے، اس کی خاطر قید نہیں پھانسی بھی ملے تو اُس پر چڑھ جانا چاہیئے۔ اِس لئے میں کہوں گا، کہ آپ نے جو اعزاز ہم کو بخشا ہے، اس کو آخر تک نبھائیے گا۔ اور اگر دوبارہ اِس قیدِ محن میں جانے کا موقع آئے تو اس سے بھی زیادہ مبارک باد دیں، جو آپ نے رہائی پر دی تھی،

حالت یہ ہے کہ جو شخص دہلی میں ایک مرتبہ رہ چکا ہے۔ وہ ہرگز دہلی کی محبت کو نہیں بھلا سکتا۔ میں خواہ دہلی میں ہوں یا باہر ہوں، قید خانوں میں ہوں یا کہیں ہوں۔ دہلی کی محبت کا میرے دل سے نکلنا محال ہے۔ جس وقت میں جیل خانہ میں تھا اسی جذبۂ اشتیاق کے اضطراب میں، میں نے یہ شعر کہا تھا۔ کہ

کثرتِ شوق سے تھا ہجر بھی ہم رنگِ وصال
ہم نے لوٹے ہیں بہت تیری جدائی کے مزے

اجتماع کی خصوصیت

میں آج اس جماعت میں حاضر ہو کر جس چیز کو خاص طور پر محسوس کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری جماعت میں وہی نہیں ہیں جو مال دار یا تعلیم یافتہ اصحاب کہلائے جاتے ہیں بلکہ وہ کسان بھی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی زمین کو جوتتے ہیں، بوتے ہیں۔ اور اس کی مخلوق کی خاطر غلہ اور اناج پیدا کرتے ہیں۔ جس کو کھا کر مخلوقِ خدا جیتی ہے۔ میں اس کو آنے والے عہدِ مساوات کی فالِ نیک سمجھتا ہوں۔ میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ مجھ کو اس صدارت کے فرائض انجام دینے میں مدد پہنچائیں گے۔

مجھے معلوم نہیں کہ جو اصحاب اختلافِ رائے رکھتے ہیں۔ وہ بھی اس مجمع میں تشریف لائے ہوئے ہیں، یا نہیں۔ اگر وہ نہیں ہیں تو مجھے بہت افسوس ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ایسے اشخاص سے اب اس سے بہتر جگہ کہاں جا کر تبادلۂ خیال کیا جا سکتا ہے۔ میں ایسے حضرات کو بتانا چاہتا ہوں کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا، کہ گھر کے ایک گوشہ میں جو رائے قائم کر لی جائے۔ باقی آدمی آپ کے صوابِ رائے پر سرِ تسلیم خم کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں۔

یہ جلسہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

اِن جلسوں سے بھاگنا اور یہ کہنا کہ ملک ہماری رائے کے ساتھ ہے، ایک ایسا طریقہ ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ جن اصحاب کو بھی خواص یا عوام کی رائے سے اختلاف ہو ان کو اظہارِ خیالات کا موقع دیا جائے گا، اور میں امید کرتا ہوں کہ حضرات آپ بھی ان کو اجازت دیں گے۔

دیکھا جاتا ہے کہ جلسوں میں جہاں خوشی کی تالیاں اور چیرز دیئے جاتے ہیں کہ وہ خوشنودی کا اظہار کریں۔ اور مقرر کو جرأت دلائیں، وہاں اظہارِ نفریں بھی کیا جاتا ہے۔ تاکہ ناخوشی کا اظہار کیا جاوے۔ میں کہوں گا کہ سامعین کو حق ہے کہ وہ اپنی اختلاف رائے کا اظہار نفریں سے کر دیں۔ جس طرح کہ وہ چیرز سے تعریف کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم کو چاہئے کہ ہر ایک شخص کو اپنے سچے اظہار کا موقع دیں، اور ان کے جذبات کی توہین کا ہر دم خیال رکھیں +

خیالِ خاطرِ احباب چاہئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو!

مخالفین کی عدمِ حاضری

مجھے معلوم ہے کہ ان تمام حضرات کو جو اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کو یہاں تشریف لانے کی دعوت دی گئی، مگر اب وہ خود تشریف نہیں لائے۔ اِس لئے بعد میں اگر وہ شکایت کریں تو بالکل بے جا ہوگا۔ کیوں کہ اس وقت ان کو ہر ایک

موقع اظہارِ خیالات کا دیا گیا ہے، ان کو یہاں تشریف لانے کی تمام آسانیاں بہم پہنچا دی گئیں، اگر اس پر بھی وہ تشریف نہ لائے، تو ان کا اپنا قصور ہے۔ کانفرنس کی جانب سے کوئی بات ایسی نہیں کی گئی، جس سے اختلافِ رائے رکھنے والوں کو بعد میں کوئی شکایت کا موقع ملے۔

تلک کی یاد

لوکمانیہ تلک مہاراج کی وفات پر اظہارِ غم کرتے ہوئے میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں۔ کہ یہ پہلا موقع ہے کہ بمبئی کے بعد مجھ کو کسی بڑے جلسہ میں تلک مہاراج کی وفاتِ حسرت آیات پر اظہارِ رنج کا موقع ملا ہے۔ مسلمانوں میں مہاراج تلک کے متعلق ایک غلط فہمی پھیلائی گئی تھی، کہ وہ مسلمانوں کے دشمن تھے۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ ایسا کہنا غلط ہے وہ ہرگز ایسے نہیں تھے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کے محسن تھے۔

لندن میں جب مجھے تقریر کرنے کا موقع ہوا، تو میں نے اُن سے کہا کہ بعد کے تجربے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا ہے کہ ان کو مسلمانوں سے کوئی دشمنی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ان کو اپنے مہاراشٹر میں اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ اپنے ہم قوم اہلِ مہاراشٹر کو زندہ کریں۔ اُن کی تحریص و ترغیب کی بنیاد مسلمانوں کی دشمنی پر مبنی نہ تھی۔ بلکہ وہ غلامی سے آزاد کرانے کے خیال پر مبنی تھی۔

لکھنؤ کی لیگ کانگریس میں انھوں نے مُسلم نیابت کے متعلق جو کچھ کیا تھا۔ اُس پر ہندوؤں نے ان سے سوال کیا تھا۔ کہ مہاراج آپ نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے مقابلہ میں اتنی نشستیں کیوں دیدیں۔ انھوں نے اِس سوال کا جواب ان کو دیا، کہ آپ مسلمانوں کو ان کے حق سے زیادہ ہرگز نہیں دے سکتے۔ تم کو اتنا ان کو دینا چاہیے کہ اگر تم نہیں شرائط

تو وہ خود شرما جائیں۔ اب وہ بات نہیں رہی۔ اَب سوال یہ ہے کہ ہندو مسلمان، بھائیوں میں سے کون ہے، جو آج دوسرے کو زیادہ دیتا ہے۔ آج سوال زیادہ دینے اور ایثار کا ہے۔ ہم "کامریڈ" میں اور چنتامنی الہ آباد کے "لیڈر" میں ہمیشہ پہلے ایک دوسرے پر چوٹیں کیا کرتے تھے۔ وہ لکھا کرتے تھے کہ "جیل خانوں میں زیادہ تر مسلمان ہیں" ہم کامریڈ میں یہ لکھا کرتے تھے کہ "پاگل خانوں میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے" آج یہ ہونا چاہیئے کہ مسلمان یہ کہیں جو ملک کی خاطر جیل میں گئے ہیں ان کی تعداد زیادہ ہے اور ہندو یہ کہیں کہ سورماؤں کی تعداد جو وطن کی خاطر سولی پر چڑھتے ہیں، ان کی تعداد زیادہ ہے۔ آج سوال یہ ہے کہ سب سے آگے کون ہے، اور سب سے زیادہ تر ایثار کون کرسکتا ہے۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جب میں ولایت سے آیا۔ تو بمبئی میں بہار اشٹر کے لوگ مجھ سے خود آکر ملے۔ اور گفتگو کرتے رہے، اور حالات دریافت فرمائے، اور خلافت کے متعلق مسلمانوں کے مقابلہ میں انھوں نے بہت زیادہ دلچسپی سے ہر ایک بات پوچھی۔ کیا ہم ابھی تک یہی ثبوت دیتے رہیں گے کہ حکومت کا راج اِسی سے ثابت رہ سکے گا، کہ ہندوستانی ایک دوسرے کے سر توڑنے کی کوشش کرتے رہیں۔

ترکِ موالات

عدم موالات کا نام جو آپ سنتے ہیں۔ دراصل یہ نام ہی غلط ہے۔ کیوں کہ عدم موالات یہی نہیں ہے کہ گورنمنٹ کے ساتھ ہی ہم عدم موالات کریں، جس چیز کا ہم نے فیصلہ کیا ہے، وہ یہ ہے، کہ ہم آئندہ سے غلامی کے پرستار نہیں رہیں گے، جو لوگ حکومت سے اتحادِ عمل کی دعوت دے رہے ہیں، ان سے آپ دریافت

فرمائیں کہ آیا پہلے کبھی حکومت سے ہم نے اتحادِ عمل (cooperaton) کیا ہے، جو آج ہی کریں۔ ہمارا حال یہ تھا کہ ہم غلام تھے، اور ہم (Cooperacton) اتحادِ عمل کی کوشش کرتے تھے، مگر کوئی سماعت نہیں ہوتی تھی۔ اور ہم سے کبھی بھی اتحادِ عمل نہیں کیا گیا۔ آج کیا بات ہے کہ وہ اتحادِ عمل کی دعوت دے رہے ہیں؟ آج کس بات نے مسٹر گاندھی کی طرف نظریں وا کر دیں۔ وُہی پانیر جو پہلے یہ کوشش کر رہا تھا، کہ مسٹر چنتامنی اور پنڈت مدن موہن مالوی کے ناموں کو ملا کر ایک نیا نام پیدا کرے۔ آج ان کی تعریفوں میں رطب اللسان ہے اور پانیر، مالوی جی و چنتامنی میں آج اتحادِ عمل (Coopezaton) ہو رہا ہے۔

گذشتہ سال ماہِ دسمبر میں کانگریس امرتسر میں ہوئی، اور وہاں ایک نہایت مشکل پیدا ہو گئی تھی جس پر پانچ چھ دن تک سبجیکٹ کمیٹی میں بحث ہوتی رہی اور کانگریس کے اجلاس میں یہ نوبت آئی کہ دو بڑے فریق پیدا ہو گئے۔ ایک طرف مسٹر تلک و داس کی پارٹی تھی۔ دوسری طرف مہاتما گاندھی اور مالوی جی جو ریفارم سکیم پر مسٹر مانٹیگو اور سنہا کا شکریہ اَدا کرنا چاہتے تھے اور حکومت کے (Cooperalon) یعنی اتحادِ عمل کا وعدہ بھی لینا چاہتے تھے۔ مگر تلک و داس اس کے خلاف تھے، وہ مُصِر تھے کہ شکریہ کی کوئی بات نہیں۔ جو کچھ بھی دیا گیا ہے اُس کی نیت بھی بخیر نہیں معلوم ہوتی اور ان کے ساتھ ہرگز اتحادِ عمل نہیں کرنا چاہئے۔ جنھوں نے ہم پر مظالم پنجاب میں کئے۔ اور جو یہ سمجھتے ہم کو بنا چاہتے تھے کہ پچاس سال تک کوئی ہندوستانی انگریزوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر ان کو نہیں دیکھ سکتا۔

ہم دونوں بھائی اس وقت جیل سے چھوٹ کر آئے تھے۔ مگر ہم نے آپس میں ایک

سمجھوتہ ہوجانے کی کوشش کی۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوئے۔ آج لوگ ہم سے اس دسمبر کے فیصلہ کی بابت کہتے ہیں، وہ کیا ہوا؟ مگر وہ بھول جاتے ہیں، کہ سیاسی حالت بدل گئی تھی۔ اعلانِ شاہی کے ماتحت اسیرانِ سیاسی کو جن سے خطرہ کا اندیشہ نہیں تھا۔ رہا کر دیا گیا۔ اور خلافت کا سوال زیر تجویز تھا مظالمِ پنجاب کے متعلق ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی۔ جس سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ لیڈرانِ پنجاب جن کو مارشل لا کے ٹربیونل نے قید کر دیا تھا۔ اپنے اظہارات کمیٹی کو دینے کا موقعہ دے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ حکومت اور کمیٹی ہر دو نے قوم کی آواز کی پروا نہیں کی۔

ہنٹر کمیٹی

ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ کیسی ہو گی اس کے متعلق جو لوگ اس حکومت کے طرزِ عمل سے واقف ہیں۔ جانتے تھے کہ کہاں تک انصاف ہوگا؟ لیکن اسکی ہرگز توقع نہ تھی، کہ اس قدر ناانصافی کی جائے گی جس قدر کہ کی گئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس قدر جدّ و جہد اور دوا دوش کے بعد اور اس قدر اخبارات کی چیخ پکار کے باوجود جس نے بلا کسی وجہ کے اتنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ ہماری حکومت اسی قاتل کو ہمارے خزانۂ ہندوستان سے پنشن دی۔ (شیم شیم)

تم ڈائر اوڈائر پر کیا شیم کرتے ہو؟ تم کو اپنی غلامی پر "نعرۂ شیم" بلند کرنا چاہئے تم انگریزوں پر کیا نعرۂ شیم بلند کرتے ہو؟ تم کو پہلے اپنے پر شیم کرنی چاہئے۔ دارالعوام میں جو کچھ ہوا وہ بھی آپ کو معلوم ہے۔ اور دارالامراء میں، جن میں بہت سے ایسے اصحاب بھی شامل ہیں، جن کو ہندوستان کا تجربہ ہے اس لئے کہ وہ یہاں برسوں رہ کر

گئے ہیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا، وہ بھی آپ سے مخفی نہیں ہے۔

مِلی بھگت

حضرات! میں ملی بھگت کا قائل نہیں، کہ ایک نے مارا دوسرے نے پچکارا۔ اگر مسٹر مانٹیگو خود مختار وائسرائے ہندوستان ہو جائیں، تو بھی مجھے بھروسہ نہیں ہے کہ ہندوستان کی کچھ بہتری کر سکتے ہیں۔ مورننگ پوسٹ اور کنسرویٹو اخبارات کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ لبرل اخبارات ہم سے کہتے تھے، کہ ہم تمہارے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے وہ کہتے تھے کہ کیا آپ ہم سے متوقع ہو سکتے ہیں کہ ہم ہندوستانیوں کے معاملہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔

اخبار "نیشن" nation جو انگلستان کا مشہور لبرل اخبار ہے۔ اس نے ایک مضمون بعنوان (mr. mantaqua gesture) یعنی مسٹر مانٹیگو کی جنبشِ سر (ابرو) لکھا تھا جس میں ان کی بہت کچھ مدحت سرائی کی گئی ہے۔ کیا ہم بھول جائیں کہ جلیانوالہ باغ میں کیا ہوا؟ ان انسانوں کو جن کو قدرت نے پاؤں چلنے کے لئے دیئے، پیٹ کے بل رینگوایا گیا، عورتوں کو بے پردہ کیا گیا۔ اور ہمارے چھوٹے چھوٹے بچوں کو قتل کیا گیا۔ اور کیا بات ہے، جو نہیں کی گئی۔ ہم خون کے بدلے خون کے بھی خواہاں نہیں ہیں۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جنھوں نے اتنے مظالم توڑے ہیں، اُن کو کافی سزا دی جائے اور انصاف کیا جائے۔

میں نے بگلا سنگھ کی ایک میٹنگ میں ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ، اب ہندوستانیوں نے عہد کر لیا ہے کہ وہ بھیک کا ہاتھ ہرگز نہ پھیلائیں گے۔ وہ صرف یہ انصاف چاہتے

ہیں، کہ ڈائر جیسے خونی یا سورتھ جیسے سفاک کو سزا دی جا دے۔ ہم نے ان کو یہ بھی صاف صاف بتلا دیا، کہ ہمارا یہاں آنے کا واحد مقصد یہ ہے، کہ ہم انگریزوں کو بتا دیں کہ، اگر وہ ہندوستان پر حکومت کرنے کے خواہشمند ہوں، تو ان کو چاہیئے کہ اب وہ اپنے رویّہ کو بدل دیں۔ اگر آپ اپنے رویّہ کو نہ بدلیں گے، تو ہم خود خدا پر بھروسہ کر کے، اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے، اور اپنے بھائی بہنوں کا انصاف خود کرائیں گے۔"

میں دیکھتا ہوں کہ اس قدر مظالم کے بعد بھی پنجاب کے طلبا، اسی یونیورسٹی میں امتحان کے لئے جاتے ہیں۔ کیا یہ مظالم ایسے نہیں ہیں کہ وہ اب ان میں جانا بند کر دیں مجھے امید ہے کہ وہ اب نہ جائیں گے۔

ایک واقعہ

مجھے ملتان کی جیل میں ایک واقعہ پیش آیا۔ میں آپ کی عبرت کے لئے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ایک فوجی کپتان سے ملاقات ہوئی جو اکسفورڈ کالج کے میرے نہایت گہرے دوست تھے۔ جب پنجاب کا ذکر آیا، تو میں نے ان سے کہا کہ اب پنجاب جس کو (Sword Hand.) یعنی تلوار ہاتھ کہتے تھے، اب وہ بھی کٹ گیا اب پنجاب تمہارے ساتھ نہیں ملے گا۔ انھوں نے اس کے جواب میں مجھ سے کہا کہ، وہ ایسا تسلیم نہیں کرتے۔ اس پر میں نے پوچھا، اس کا کیا ثبوت ہے؟ تو انھوں نے فرمایا۔ کہ میں کپتان تھا۔ میں ایک جگہ جا رہا تھا کہ میری سائیکل ٹوٹ گئی۔ میں سائیکل سے اتر کر قریب کے گاؤں میں گیا۔ جس میں مارشل لا اپنا پورا کام کر چکا تھا۔ جب میں گاؤں

کے قریب پہنچا، تو گاؤں کے نمبردار اور بڑے آدمی میرے خیال کے برعکس فوراً بھاگے ہوئے آئے۔ میری موٹر سائیکل مجھ سے مرمت کے لئے لے لی، اور میں دیکھتا تھا کوئی مجھ کو پنکھا جھل رہا تھا، کوئی میرے لئے دودھ اور چھاچھ لا رہا تھا۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں، کہ ان سے مایوسی نہیں ہوئی۔ اگر وہ میری عزت اس قدر نہ کرتے، اور ذرا بھی مجھ سے اظہارِ ناراضگی کرتے تو میں واقعی ان کی اصلی قدر کرتا، یا اگر وہ محض خاموشی سے اور اپنی نگاہوں سے اپنی ناراضگی ظاہر کرتے تو بھی کچھ عزت کرتا۔ لیکن، جب دودھ اور چھاچھ لے کر آئے تو میں سمجھ گیا کہ اب بھی ایسے لوگ باقی ہیں، جو موالات ہمارے ساتھ کر سکتے ہیں۔

حضرات! یہ پنجاب کا ہی حال نہیں، بلکہ میں دہلی والوں سے کہوں گا، میں خطاب یافتگان۔ وکلاء اور طلباء، سے جو ابھی تک موالات کر رہے ہیں اور ترکِ موالات پر آمادہ نہیں ہیں۔ کیا میں ان سے پوچھ سکتا ہوں کہ ہم ان سے مایوس ہو جائیں جب ہم اپنے اور پرشیم کے نعرے بلند کر چکیں، اور غلامی سے آزادی حاصل کر لیں تو بچے کھچے شیم کے کچھ سائن جو ہیں، ان سے شیم کے نعرے انگریزوں پر بھی بلند کرائیں"؟

خالصہ جماعت

میں پنجاب میں آیا ہوں، میں اپنے بھائی سکھوں کو دیکھ چکا ہوں۔ مجھے خالصہ جماعت میں سے کچھ امید کی روشنی نظر پڑتی ہے۔ میں نے ان کے جوش کو دیکھا ہے ان کے جوش کو ابھی دبانے کی ضرورت ہے۔ اُن سے ابھی یہی التماس کرنی ہے کہ وہ

اپنے جوش کو ٹھنڈا رکھیں۔ تم سپاہی ہو۔ اور قوم میں یہ بھی سکھایا جاتا ہے کہ تمھاری، بندوقوں میں جو آگ ہے تم اس پر بھی قابو رکھ سکو!

دوگانہ شکر

جب خلافت کا وفد انگلستان پہنچا۔ تو جو پہلی تقریر کرنے کا مجھے موقع حاصل ہوا۔ وہ ایک۔ اینگلو اوڈ، یعنی ایسی مجلس تھی، جس میں انگریز، مصری و دیگر ایشیائی قومیں شامل تھیں۔ میرے دیگر واقعات بیان کرنے کے بعد جب میں نے پنجاب گوجرانوالہ وغیرہ کے مظالم کا ذکر کیا تو مجھے علم ہے کہ بعض شریف النفس انگریز ایسے تھے جنھوں نے اظہارِ افسوس کیا۔

مگر میرے ایک پُرانے مصری دوست نے کہا۔ میں آج بعد نمازِ عشاء، دوگانہ شکر پڑھوں گا۔ میں نے اُن سے کہا، یا حضرت! یہ "دوگانۂ شکر" کا کیا موقع ہے؟ ہم پر مصیبت پڑے اور آپ دوگانہ شکر پڑھیں؟ انھوں نے فرمایا کہ "بھائی خدا کی تیس کروڑ مخلوق ایک مٹھی بھر انگریزوں کی غلامی کر رہی ہے اور اپنی آزادی کا کوئی خیال اس کو نہیں ہے۔ حالانکہ ہماری کروڑ سوا کروڑ کی بستی غلامی کے جوئے کو ہرگز گوارا نہیں کرتی۔ اب وہ تیس، چالیس کروڑ لوگ انگریزوں کی سرکردگی میں ہم کو غلام بنانے آتے ہیں۔ ہم ان انگریزوں کا مقابلہ کر سکتے تھے، جن کا تیس کروڑ ہندوستانیوں نے مقابلہ نہیں کیا۔ ہمارے پیروں میں جو بیڑی پڑی ہوئی تھی، وہ آج ہماری تلوار کاٹ رہی ہے، اور ہم انشاء اللہ تم آزادی حاصل کریں گے۔

اے ہندوستانیو! وہ بپتا جو عالم میں کسی پر نہیں پڑی، تم پر پڑی ہے، اب ممکن ہے

کہ تمہاری آنکھیں کھُل جائیں اور تم آزادی کے لئے جدّوجہد کرو، اور خود کو غلامی سے آزاد کراؤ، نہ کہ دوسروں کو بھی اپنی طرح غلام بناؤ۔ اِس لئے میں آج دوگانۂ شکر پڑھوں گا"۔

میں پنجاب کے مردوں اور عورتوں سے پوچھتا ہوں، کہ کیا آپ اب بھی اس پھ... اپنے گلے میں ڈالے رکھنے کے لئے رضامند ہیں، جس کو دوسری قومیں اتار چکی ہیں یہ ایک مذہبی سوال تھا اس کو میں نے انگلستان میں کہہ دیا تھا کہ مذہبی سوال ہے اور ہمارے ہندو بھائیوں نے بھی دیکھ لیا ہے کہ مذہبی سوال ہے۔ گو زمانۂ جہالت میں انتقامانہ قتل ہوا کرتے تھے۔ مگر اب تہذیب نے وہ قاعدہ بدل دیا ہے۔ اب گر متمدّن دنیا کا ایک آدمی بھی مار ڈالا جاتا ہے تو ساری قوم اس کے گرد جمع ہو جاتی ہے۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ آپ کی نہ محض آتما پر ہی قاتلانہ حملے ہوئے، بلکہ روح کو بھی آپ کی مار ڈالا گیا ہے اور آپ سب کے سب غافل ہیں۔

اگر ہم کسی مورتی کو پوجنے والے کی کوئی ہتک کریں تو ہم ایسا کرنے میں اس پتھر کی کوئی توہین نہیں کرتے، بلکہ اپنے بھائی کی روح کو صدمہ پہنچاتے ہیں۔ ہمارے مذہب میں جبر کر کے کسی ہندو کو نقصان پہنچانے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ میں نے ٹربل اخبار نیشن کے اڈیٹر سے ایک ملاقات کے دوران میں بتایا تھا کہ "ہمارے رسول اکرم حضرت محمد صلعم نے ایک وعظ میں فرمایا ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ: اپنے بھائی کی مدد کرے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم"۔ اِس پر اڈیٹر ہنسا اور کہنے لگا "یہ کس طرح ممکن ہے"۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ اخبار نیشن کے ایڈیٹوریل سٹاف کو خدا نے وہ عقل عطا نہیں کی ہے کہ اس "اُمّی" کے کلام کو سمجھ

کے ہیں نے ان کو سمجھایا کہ ظالم کی مدد کرنی یہی ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے۔

مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ اگر خلافت کا مسئلہ تمہارے حسب منشا طے کر دیا جائے گا، تو آپ ہم سے موالات کریں گے؟ میں کہتا ہوں کہ ترکوں کو ان کا اپنا ملک ہی نہیں، خواہ انگلستان خواہ فرانس خواہ جرمن اور خواہ تمام یورپ ہی کیوں نہ دے دیا جائے اگر ایک بھی ہندی کے گلے میں طوقِ غلامی پڑا رہے گا تو میں اس کو توڑوں گا۔ میں اسلام کی توہین کروں گا۔ اگر ایسا نہیں کروں گا۔ امرتسر کانفرنس میں اس امر کا فیصلہ کیا گیا تھا کہ وائسرائے کی خدمت میں ایک وفد بھیجا جائے۔ جس میں میں اور میرا بھائی بھی شامل تھے کہ وہ نہایت عاجزی اور سچائی کے ساتھ جذبات کا اظہار کر دیں اور وائسرائے سے درخواست کریں کہ وہ ہم کو برطانیہ میں بھی جا کر اہلِ برطانیہ پر اپنے جذبات کے اظہار کا موقع عنایت کریں۔ اور اس کے لئے ایک وفد کی منظوری دیں، تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے۔ ع "تا بہ خانہ باید رسید"

اور کل کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ ہمارے پاس باقاعدہ آ کر کوئی درخواست نہیں کی گئی۔ اور نہ ہم سے کوئی اس قسم کی اپیل کی گئی۔

چنانچہ ہمارا وفد وائسرائے کی خدمت میں پہنچا۔ اور سب کو معلوم ہے کہ وفد کے متعلق کوئی شکایت نہیں۔ ہم نے اپنے مطالبات و معروضات پیش کئے تھے اور اس کے متعلق ہمارے معتدل لب و لہجہ کے خود وائسرائے ستائش کناں ہیں۔ البتہ ایک بات کے لئے کہا گیا، اور وہ یہ ترمیم تھی، کہ ہم نے بار بار برطانیہ کا ذکر کیا ہے اس کے متعلق وائسرائے نے فرمایا کہ وہ اس کو نکال دیں۔ ہم اکیلے ہی نہیں تھے، بلکہ فرانس بھی ہے۔ اٹلی بھی ہے چنانچہ ہم نے حلیفوں پر اچھی طرح اس امر کو ظاہر کر دیا، تاکہ آئندہ کو یہ شکایت بھی نہ

رہے۔ آپ نے "پانیر" میں بڑے لمبے چوڑے اشتہارات پڑھے ہوں گے، کہ ہم نے ولایت سے تاروں کے بھیجنے میں نہایت فیاضی سے کام لیا۔ حضرات! یہ میری فیاضی کا اعتراف نہیں ہے۔ میں کہوں گا، کہ میں اسی طرح آج بھی اُن کی قوم سے مایوس ہوں۔ لیکن میں نے جو کچھ بھی کیا وہ اِس لئے کہ "اتمامِ حجت" ہو جائے، اور پھر اس بہانے جو قوم کے لئے کوئی بہانہ باقی نہ رہے۔ اِس واسطے میں نے اس بات کا التزام رکھا، کہ میری قلم و زبان سے کوئی غیر معتدل لفظ نہ نکلے۔

مسٹر لائڈ جارج نے بھی ہمارے متعلق جو ستائشی الفاظ کہے تھے وہ آپ سب صاحبان کو معلوم ہیں۔ اگرچہ بعد میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ وعدے نے ایسا رویہ اختیار کر لیا جس کی وجہ سے التفات نہ کیا جا سکا۔

جنگ کے بعد ترکوں کا فتنہ

اِن لوگوں نے اِس بات کا پہلے ہی سے فیصلہ کر لیا تھا۔ رُوس کا ملک بالکل تباہ ہو چکا تھا، اور وہاں کوئی نہیں رہا تھا۔ اِسی طرح دیگر سلطنتوں کی خستہ حالتیں سب ان کے موافق ہو گئی تھیں۔ وُہی مثل تھی کہ اندھے کے ہاتھ لگی بٹیر، بڑا بے وقوف جو شہر سے نہ کھائے۔

انگریزوں کے ہاتھ ترکوں کا ملک لگا، وہ بڑے بیوقوف ہوں اُس کو ہاتھ سے جانے دیں۔ لیکن میں آج آپ سے کہتا ہوں کہ ہم کو اللہ پر پورا بھروسہ ہے، ترکوں کا ملک ترکوں کو انشاء اللہ تم ضرور مل کر رہے گا۔ انگلستان میں ہم نے اپنی پوری کوشش کرنے کے بعد اس بہانے سے جو گورنمنٹ کے کہنے کی وجہ سے فرانس کا سفر اختیار کیا جائے

ہم فرانسیسی زبان سے محض ناواقف تھے مگر ترجمان رکھ کر دو تین ماہ تک شبانہ روز مصروفِ کار رہے۔ پیرس کی مشہور فرانسیسی انگلستان اور ٹرکی کے عاشق کی طرف سے جب اطمینان ہوگیا۔ کہ صلحنامہ ٹرکی بدلا جائے گا۔ عین اسی وقت لائڈ جارج وزیر اعظم برطانیہ نے فرانس کا سفر اختیار کیا اور اس تجویز کو درہم وبرہم کرادیا۔ اِن باتوں کو "پانیر" علی برادران کی دھوکہ آمیز تقاریر کہتا ہے۔ لیکن کیا ایسا کہنے سے ہم جھوٹے ہو سکتے ہیں، جھوٹے تو وہ خود ہیں۔

فرانس کے بعد ہم اسی اتمامِ حجت کے لئے اٹلی گئے اہلِ اٹلی نے علانیہ کہہ دیا ہے کہ ہم نہ ایک پیسہ اور نہ ایک سپاہی اس غرض کے لئے دیں گے، کہ اس سے ترکوں کے خلاف جنگ کی جائے۔

حضرات ترکوں کا لوہا سب قومیں مانے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ امر کہ پھر بھی صلحنامہ کیوں نہیں رَدّ کیا گیا؟ اِس کی وجہ ہم اور آپ ہیں۔ میں اپنے مسلمان بھائیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ ... سے وہ ہندوستان میں آکر بسے۔ اِس طویل عرصہ میں وہ یہیں دفن ہوئے، یہیں پیدا ہوئے اور یہیں انھوں نے نشو ونما پائی ہے تو اگر بالفرض اُن کو ہندوستان سے محبت نہیں ہے اور صرف اپنی "اَرضِ پاک" اور "قرآن و حدیث" سے محبت ہے۔ تو پھر کیا ارضِ پاک و قرآن و حدیث کی حرمت کو بھی مٹتے دیکھ کر تم کو کچھ نہیں کرنا چاہیئے؟ تمہارے ہندو بھائیوں کا ہاتھ اِس وقت تمہارے ساتھ ہے اور اِس وقت ارضِ پاک کو اپنے رسولؐ کی آخری وصیت کو پورا کرتے ہوئے کفّار کے تسلّط سے پاک کر دو! اُن کفّار سے جنھوں نے تمہارے رسولؐ کی اِس آخری وصیت کو ٹھکرا دیا ہے۔ شام و فلسطین و عراق و عرب کو اور بیت المقدس

کو سوائے تمہارے کس نے فتح کیا؟

ترکی افسر کا جو موقعہ پر خود موجود تھا، بیان ہے کہ "انگریزوں کی تیس ہزار فوج جس میں ہندوستانی تھے ہمارے پانچ ہزار کے مقابلہ میں آئے، وہ ڈھائی ہزار مقتولین چھوڑ کر بھاگ گئے" مگر افسر مذکور نے آپ کی ہندوستانی افواج کی بہادری تسلیم کی، اور وہ کہتا تھا کہ "اگر ہندوستانی مقابلہ میں نہ ہوتے تو ہرگز انگریزوں کی فتح نہیں ہو سکتی تھی" وہ خود بہادر ہیں اور اس لئے بہادری کے اعتراف میں وہ کوئی کسر شان نہیں سمجھتے تھے۔

حضرات! آپ میں اخلاقی ہمت و جرأت نہیں ہے۔ آپ بہادر ہیں، جان دینے سے نہیں ڈرتے، مگر جیل جانے سے آپ ڈرتے ہیں۔ آپ اس وقت تک جب کہ آپ ہتھکڑیوں کو مردوں کا زیور نہ سمجھیں، بہادر کہلانے کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

سلسلۂ زنجیر، شیراں را گردن زیور است

مگر افسوس کہ آپ کی شان "کھیدے کے ہاتھی" کی سی ہے، جو حماوت کے آنکس سے ہر وقت ہراساں رہتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ میسور میں کھیدے کا ایک ہاتھی جھٹک کر بھاگ گیا ہے۔ حضرات! یہ آپ کے لئے ایک نیک فال ہے، جو حماوت ہمارے سر پر ہے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے

بڑوں سے خطاب

میں اپنے موڈریٹ بھائیوں سے عرض کرتا ہوں، جو ترکِ موالات میں اختلافِ رائے رکھتے ہیں، میرے دوست چنتامنی کو موقع ملا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جہاد و ہجرت و ترکِ

موالات پر ہی بحث کیا کرتا ہوں۔ حضرات! میں کہوں گا، بیشک یہ مذہبی اصطلاحات ہیں۔ مگر جو قوم بھی گرفتارِ مظالم و مصائب ہے، ان کو ان تین راستوں کے سوا ہرگز کسی اور راستہ کا اختیار کرنا ناممکن ہے اور کوئی چوتھا راستہ ایسا نہیں ہے جس کو وہ اختیار کر سکے میں کہتا ہوں کہ اگر بنڈال کے دروازہ پر، یا جانے دیجئے یوں کہئے، کہ آپ کے گھر کے دروازہ پر ایک سانپ بیٹھا ہے، اب اگر آپ گھر میں جانا چاہتے ہیں، تو کیا طریقہ اختیار کریں گے؟ میں کہوں گا کہ اگر آپ کے پاس لکڑی ہے تو آپ لکڑی سے ہٹا کر اندر داخل ہوں گے۔ اسی کا نام قرآنی اصطلاح میں جہاد اور مقاتلہ ہے۔ اور اگر آپ کے پاس لکڑی نہیں ہے۔ تو آپ کے گھر کا دوسرا دروازہ ہے تو اُس دروازے کو چھوڑ کر اُس سے جائیں گے اسی کا نام ہمارے یہاں ہجرت ہے کہ دوسرے دیس میں جا کر قوت بہم پہنچائیں اور پھر اغیار سے اپنا ملک آزاد کرتے ہوئے سُنّت پوری کریں۔ جیسا کہ آں حضرتؐ نے مکّہ سے ہجرت کی اور پھر اس پر تسلط فرمایا تھا۔ لہٰذا اگر قوّت ہو جہاد کریں، ورنہ ہجرت کر جائیں۔

اَمرتسر میں میں نے کہا تھا کہ، بھائیو! اب شکر ہے کہ ہم اپنی اپنی مسجدیں ہندو بھائیوں کے سپرد کر کے ہجرت کریں گے۔ اس پر میرے ایک ہندو دوست نے فرمایا مُنشیئے صاحب! مسجد کا قبضہ تو ہم نہیں لے سکتے۔ ہمارے مذہب میں بھی ایک قصہ ہے، کہ جب راجہ رامچندر جی بن باس کو جانے لگے اور اپنے بھائی لچھمن کے سپرد تمام کام کرنے لگے تو اُس نے انکار کر دیا تھا، اور خود بھی انہی کے ہمراہ چلا گیا تھا۔ اس لئے اگر ہندوستان کے مسلمان ہجرت کریں گے، تو ہندو اُس سے پہلے ہجرت کے لئے تیار ہیں۔ یہ مسئلہ مسلمانوں کا ہی نہیں ہے، بلکہ سکھ و ہندو سب کا ہے کہ جو ہمارا دشمن ہے اُس سے موالات نہیں کر سکتے کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم ان لوگوں سے جو تم سے نفرت کرتے ہیں، موالات کے لئے آمادہ ہو

میرے پاس ابھی ایک خط آیا ہے۔ یہ نوجوان ولایت میں تعلیم پانے گیا تھا۔ وہ کیمبرج یونیورسٹی کی ڈائر مباحثہ کا حوالہ دے کر لکھتا ہے کہ

" وہ اب اِس ملک سے اتنا بیزار ہوگیا ہے کہ وہ اُس میں ٹھہرنا بھی پسند نہیں کرتا "

اصلی عزّت

حضرات! اگر آج عزت ہے تو ان کی ہے جنھوں نے حکیم اجمل خاں صاحب الہ پیارے لعل صاحب اور امام صاحب کی طرح ان کے خطابات کو ٹھکرا دیا ہے۔

وکیلوں اور موکلوں سے پوچھتا ہوں کہ، کیا اب جب کہ مظالم پنجاب اور ناانصافی خلافت دیکھ چکے ہو، تو اب بھی ہندوستان کو غلامی میں رکھنا پسند کرتے ہو؟

حضرات! یہ ہندوستانی بہادری ہی کا باعث ہے کہ ان کو فتح نصیب ہوئی ورنہ ہم کو خوب معلوم ہے کہ کیلے پر ان کی کیا حالت ہوئی تھی۔ ہمارے مقاماتِ مقدسہ کو ہماری خواہشات کے مطابق نہیں بلکہ ہماری مذہبی پابندی کے مطابق رہا نہیں کیا گیا۔

موجودہ حکومت ہمارے طلباء کو سوائے غلامی کی تعلیم کے اور کوئی تعلیم نہیں دیتی گاندھی و علی برادران نے تعلیم کے مسئلہ کو کیوں چھیڑا ہے؟ اس پر اعتراض کئے جا رہے ہیں۔ حضرات میں بتانا چاہتا ہوں کہ اس کی دو وجہ ہیں۔ اوّل یہ کہ اگر آج طلباء کو سکولوں اور کالجوں سے نہ نکالیں تو آنے والی نسلوں کا بوجھ غلامی میں اور زیادہ ہوتا جاتا ہے دوسری یہ کہ ترقی کا دارومدار ان ہی پر ہے، ورنہ بکھیں بڈھے طوطے بھی پڑھتے ہیں۔ حضرات آپ کو معلوم ہوگا کہ تنزل کا زہر جوں جوں بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے بڑھتا جاتا ہے۔ اور اسی

طرح خدا کی دی ہوئی محبت اور فطرت کا اثر گھٹتا جاتا ہے۔ فولاد اصلی ہے مگر اس پر زنگ اپنا اثر زیادہ کرتا جاتا ہے۔ بچوں میں اب یہ زہریلا اثر تھوڑا ہے مگر جب وہ بڑے ہو جائیں گے اور اس بد اثر سے ان کو نہ بچایا گیا، جو آج کل کی تعلیم کی وجہ سے ان میں سرایت کر رہا ہے تو جو دقتیں آج ہم کو اپنے وکیل بھائیوں سے پیش آ رہی ہیں۔ وہی ان سے بھی پیش آئیں گی۔ ہم طلباء سے یہ کہنے کے واسطے تیار ہیں، کہ اتنی عمدہ یا قریب قریب ایسی ہی درس گاہیں، ان کے لئے کھول دیں گے۔ میں نے طلباء علی گڑھ کالج سے بھی کہہ دیا تھا۔ جب کہ انھوں نے یہ پوچھا تھا، کہ کیا ہم ان کے لئے دوسرا کالج ویسا ہی کھول دیں گے؟ میں نے ان سے کہا تھا کہ ہم غیر مشروط اطاعت چاہتے ہیں۔ حضرات کیا جب آپ کے اس پنڈال میں آگ لگ جائے تو کیا آپ اس کا انتظار کریں گے کہ دوسرا پنڈال تیار ہو تو آپ اس کو چھوڑیں۔ یا اگر زلزلہ آ جائے تو آپ مکان سے نکلنے میں پس و پیش کرتے رہتے ہیں۔ کیا آپ کی پردہ نشیں عورتیں بے پردہ ہو کر جس حالت میں بھی ہوتی ہیں، مکان نہیں چھوڑتیں، لیکن بات یہ ہے کہ ابھی اس کو سمجھا نہیں ہے۔ آپ تعلیم کو ایسا نہیں سمجھتے ہیں۔ سُنا جاتا کہ سانپ جس وقت کسی پرندہ کو پکڑتا ہے تو پہلے اس کو مفلوج کر دیتا ہے، جس سے پرندہ بے حس ہو کر وہیں رہ جاتا ہے اور لقمۂ اجل ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئیے کہ سب سے بڑا حربہ حکومت کے پاس توپ و تفنگ اور شمشیر و مشین گن نہیں ہے، بلکہ سب سے بڑا حربہ یہی ذریعۂ تعلیم ہے۔ جس سے آتما دروح پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ کیا تم عدم موالات سے گورنمنٹ کو مفلوج کر سکتے ہو؟ خیر ہم بھی دیکھ لیں گے۔

ترکِ موالات کا مقصد

ہم گورنمنٹ سے ترکِ موالات اس کو مفلوج کرنے کے لئے نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ہم تو اپنے اس فالج کو جو ہمارے دل و دماغ پر ہے دور کرنے کے لئے عدم موالات کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد جو گورنمنٹ ہوگی، وہ وہی گورنمنٹ ہوگی، جس کو اللہ چاہے گا اور ہم چاہیں گے۔

مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی، جیسا کہ حکیم صاحب نے مجھ کو بتایا ہے کہ دہلی میں عربک سکول کے بجائے جس نے اس وقت تک سرکاری امداد سے انکار نہیں کیا ہے ایک قومی سکول دہلی میں قائم کر دیا گیا ہے۔ عربک سکول کے ۲۸۶ سابق طلباء میں سے اب وہاں بہت تھوڑے جبریہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جن کے والدین ان پر دباؤ ڈالے ہوئے ہیں محض دو تین ہفتہ میں ۲۵۶ طلباء آزاد اسکول میں داخل ہو گئے ہیں۔ مجھے اس کی بھی اطلاع دی گئی ہے کہ اصلاح نصابِ تعلیم بھی کی گئی۔ یعنی ساتھ ساتھ دیگر تعلیمی کورس کے دستکاری کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ مثلاً Electro Plating یعنی ملمع سازی وغیرہ۔ سب سے بڑا اثر موجودہ تعلیم کا یہ ہے، کہ ایک پیشہ، نوکری یا وکالت کو اگر ہم چھوڑ دیں تو کوئی دوسرا پیشہ کر کے پیٹ بھرنے سے معذور ہیں۔ ہم دوسری نوکری دلانے کا وعدہ نہیں کرتے، بلکہ ہم اس تعلیم کا دعوے کرتے ہیں جس سے تم خود مرفہ الحالی سے اپنی زندگی دنیا میں بسر کر سکو اور عقل و دل جو خدا کی دی ہوئی نعمتیں ہیں، ان کا اچھا استعمال تم کو آجائے۔

کونسلوں کے متعلق اپنے تجربہ کی بنا پر کیونکہ مجھ کو پریس گیلری میں جگہ ملا کرتی تھی

میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ معزز ہستیاں جو کونسل میں جایا کرتی تھیں، محض دوسرے کے لکھے ہوئے مضمون کے پڑھنے کے سوا، اور وہ بھی اس طرح کہ جیسے کوئی پڑھتا ہو۔

The boy on the burning deck whence all but he had fled.

خدا کا شکر ہے کہ کونسلوں کو بائیکاٹ کیا جا رہا ہے اور کر دیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی بدبخت ہے تو جائے، مگر یاد رکھے کہ شکر خورے کو شکر اور موذی کو ٹکر۔

یہ وہ تحریک عدم موالات ہے کہ لارڈ چیمسفورڈ جس کا منہ چڑایا کرتے تھے۔ مگر آج وہی ہیں کہ حالت دگرگوں ہے۔

قومی عدالتیں

اگر آپ سوراج حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو اپنے مقدمات خود ہی فیصل کیا کریں۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، کہ آئرلینڈ کی خبریں جو آپ پڑھا کرتے ہیں، کہ آج فلاں چوکی پر حملہ کیا۔ اتنے سپاہی جان سے مار ڈالے۔ اتنے افسروں کو قتل کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ ان باتوں نے ہرگز گورنمنٹ کو خوفزدہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ جس بات نے برٹش گورنمنٹ کو مرعوب کر دیا ہے اور اس کو بے کار بنا دیا ہے۔ وہ قومی عدالتیں ہیں جو لوگ انگلستان کی عدالتوں میں اپنا کوئی مقدمہ نہیں لے جاتے۔ چور کو وہاں کی قومی عدالت انگلستان کا درس نکالا دیتی ہے۔ گورنمنٹ اس کو دوغلاتی ہے۔ مگر وہ چور اس کو جواب میں کہتا ہے کہ میں اپنی قوم کے فیصلہ کی پابندی کروں گا۔ اور ہرگز تمہاری حفاظت نہیں چاہوں گا۔ وہاں پر لوگوں کو طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے۔ میں نے

خود دیکھا ہے کہ ایک دفعہ وہاں پر حکومت برطانیہ کی طرف سے اشتہار چسپاں کیا گیا کہ
Join the army and see the world.
یعنی فوج میں بھرتی ہوجاؤ، اور دنیا کی سیر کرو، اس پر آئرش لوگوں نے اس کے مقابل کا اشتہار
تیار کیا جس پر لکھا تھا کہ. Join A.S.C. and see the next.
یعنی آئرش فوج میں بھرتی ہوجاؤ! اور دوسرے جہان کی بھی سیر کرو۔

حضرات گورنمنٹ اس لئے نہیں ڈرتی کہ عدم موالات Destruction
یعنی تباہ کن ہے۔ بلکہ اس لئے ڈرتی ہے کہ یہ Constructive یعنی
تعمیری تجویز ہے۔ ہمارے دوست ڈاکٹر انصاری سے اس لئے کہ یہ طرابلس کی جنگ
میں ترکوں کی کچھ خدمات کر چکے ہیں اور شوکت علی سے اس لئے نہیں کہ انھوں نے یونیورسٹی
کے لئے ایک کروڑ کا وعدہ کیا ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ مسلم یونیورسٹی کے لئے ۲۱ لاکھ
روپیہ جمع کر چکے ہیں، اور ۵ لاکھ خلافت کے لئے۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ دہلی کی ثالثی قومی عدالت میں اس وقت تک چار فیصلے ہوچکے
ہیں، جن میں سب سے زیادہ مالیت کا جو مقدمہ فیصل ہوا، اس کی مالیت سترہ ہزار تھی،
اور اب پچاس کے قریب مقدمات زیر تجویز ہیں، اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ ڈگریوں کا روپیہ
ادا کر دیا گیا ہے۔ حضرات یہ آپ کے ملک کے لئے فال نیک ہے۔ ماسوا اس کے سوداگران
کپڑا انڈین مرکنٹائل ایسوسی ایشن اور ریٹیلرز مرکنٹائل ایسوسی ایشن جس کے ممبر ۱۵۰ کے
قریب ہیں اپنے مقدمات اس عدالت میں رجوع کرے گی۔ مجھے امید ہے کہ اجمیر شریف
میں بھی اس کا التزام رکھا جائے گا۔ کہ وہاں آپس میں مقدمات کا فیصلہ کیا جائے گا۔
اگر وہ آپس میں فیصلہ نہ کر سکیں تو سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کی درگاہ میں

جایا کریں۔ اور وہاں اپنے فیصلے کریں۔ اس تجویز کو دہلی میں نہایت کامیاب بنایا جاسکتا ہے اس لئے کہ یہ ایک جدا گانہ چھوٹا سا صوبہ ہے۔ ہمارے انگریز بہت شکایت کرتے تھے، کہ کام بہت ہے۔ آپ ان کا کام یہاں تک کم کردیں کہ وہ رخصت لے کر اپنے وطن مالوفہ کو چلے جائیں۔

سُودیشی

جمعیت علمائے ہند نے ترکِ موالات میں "سودیشی" کو علحدہ نہیں کیا ہے اس نے بھی اس کا رزولیشن پاس کردیا ہے۔ اب آپ کے لئے سودیشی کا استعمال گویا مذہبی فرض ہوگیا۔ اُلٹی ریت کی ایک مثال انگریزی میں ہے۔

Bringing Cool to new. castle یعنی الٹے بانس بریلی کو۔ آپ یہ سن کر شاید متعجب ہوں گے کہ چین سے کوئلہ نیوکیسل کو جانے لگا ہے اور ہمارے ہندوستان کے متعلق یہ صادق آتا ہے

Bringing manufactured Goods to the cotton producing con tries.

یعنی روئی کے ملک میں روئی کا تیار کردہ مال لایا جاتا ہے۔ ہمارے لئے سودیشی کا اختیار کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اب ہم میں اتنی سکت نہیں رہی ہے کہ ہم گراں قیمت غیر ملکی اشیاء کا استعمال جاری رکھیں۔ اب ہم کو اپنی روزانہ زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ میں یہ بھی آپ کو بتادوں، کہ مہاتما گاندھی دہلی کی مستورات کی ہمت وجرأت سے بہت خوش ہیں۔ جو انھوں نے چندہ دیتے وقت اپنے زیورات کی حوالگی میں دکھائی ہے۔ مہادیو ڈیسائی جی کہتے ہیں کہ "بھئی! دلّی کی عورتوں نے تو غضب کردیا۔ مہاتما جی ان

کی فیاضی دیکھ کر پھولے نہیں سماتے تھے۔

حضرات ہم کو چاہئے کہ اپنی روزانہ ضروریات میں کمی کریں، جو کچھ ہو سکے بچائیں ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے۔ اس لئے اگر ہم اپنے عیشوں کی باتوں میں کمی کر کے روپیہ جمع کریں تو نہایت ضروری ہے۔ آج کل قومی کاموں میں بھی روپے کی سخت ضرورت ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ خلافت کا چندہ سب سے کم ہوا ہے۔ میں آپ کے خلافت کے بجٹ کی پڑتال کروں گا۔ میں یہ بھی دیکھوں گا کہ ہر ایک شخص نے خلافت اور سُوراج کے لئے بجٹ کیا بنایا ہے؟ آپ میں سے ہر ایک کو اپنی آمدنی کے تین حصے کرنے چاہئیں۔

اوّل۔ برائے اخراجاتِ خورد و دیگر

دوم۔ اولاد کی تعلیم کے لئے۔

سوم۔ خانگی اخراجات کے لئے۔

کیونکہ اب حالت یہ ہے کہ دو شخص دوڑ رہے تھے۔ ایک شخص قریب منزل پہنچ گیا ہے دوسرا ابھی بہت پیچھے ہے۔ ایسی حالت میں یہی ہو سکتا ہے کہ راستہ کاٹ کر اگر وہ کوئی مختصر راہ اختیار کرے تو منزل پر پہنچ سکے۔ حضرات! آپ کے لئے اب ایسا ہی کرنا ہے۔ اپنے تعیش میں کمی کیجئے، اور روحانی طریقہ کو کام فرما کر منزلِ مقصود پر پہنچئے۔

وفاداری بشرطِ استواری عین ایمان ہے
مَرے بُت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو!

حضرات! جب یہ باتیں ہو جائیں گی، تو جیسا کہ رات کے بعد سورج کا نکلنا یقینی ہے اُسی طرح آپ کا غلامی سے نکل کر آزاد ہونا یقینی ہو جائے گا۔ سوراج کے متعلق

خدا کا حکم ہے " ان الحکم الا للہ "۔ یعنی حکومت صرف خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ " الا تعبدوا الا اللہ "۔ یعنی سوائے خدا تعالیٰ کے غیر کی تابعداری ہرگز مت کرو۔ بندگی کا سزاوار تو صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اسی طرح تعلیم دی گئی ہے کہ " اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم "۔ یعنی اطاعت کرو خدا تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور اس بادشاہ کی جو تم میں سے ہو۔

حضرات! اس سے بڑھ کر سوراج کی تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن لوگ ہیں، جو ایک طرف مہاتما گاندھی کو کہتے ہیں کہ علی برادران کے بھانسے میں آگیا۔ دوسری طرف ہم کو کہتے ہیں، کہ دیکھا، اس کے کہنے میں آن کر علی گڈھ کالج کو تباہ کر ہی ڈالا۔ ہندو یونیورسٹی کو پہلے ایسا کرنا تھا۔ میں جب کہ بنارس جا رہا تھا۔ لوگوں نے علی گڑھ سٹیشن پر مجھ سے پوچھا کہ اب کہاں کی ٹھانی؟ میں نے جواب دیا کہ، بھئی! علی گڑھ تو تباہ ہو ہی گیا۔ میں بنارس جا رہا ہوں۔ دعا کرو کہ خدا مجھ کو اس کے تباہ کرنے میں میری مدد کرے، تاکہ بدلہ تو لے لوں۔

ہندوستانی فوج

میں ہندوستانیوں سے کہتا ہوں کہ اگر اس وقت آپ کی فوج ہندوستان سے باہر گئی تو ہرگز ہندوستانیوں کو سوراج حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیا مصر جس کو غلام بنایا گیا اس کا باعث وہی نہر سویز نہیں ہے، جو ہندوستان کے راستہ میں حائل ہوتی ہے۔ آج بھی جب کہ مصریوں نے اپنی آزادی حاصل کر لی ہے۔ وہی بڑی

فلسطین کے پاؤں میں نہیں ڈالی گئی۔ تاکہ اسی نہر کے مشرقی حصہ پر تو تسلّط رہے، تاکہ ہندوستانیوں کو ہمیشہ غلام بنایا جا سکے اور اسی بیڑی کو افغانستان کے پاؤں میں ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور جس کے لئے محمود طرزی بیگ کو بار بار بلایا جا رہا ہے۔ اگر میرے ہندو بھائیوں کا بھی اس پر دھرم ہے کہ جیسا جس کا کرم ہے ویسا ہی پائے گا۔ اور پھر بھی باہر جا کر، اور عربوں۔ عراقیوں اور ایرانیوں وغیرہ کو غلام بنانے میں مدد دی تو میں کہوں گا۔ کہ کیا ان عربوں، عراقیوں کی غلام فوج یہاں نہیں لائی جائے گی۔ تاکہ تمہاری نسلوں کی سرکوبی کریں۔

دہلی کے منہ کا مزا بگڑا ہوا ہے۔ جامع مسجد کی سیڑھیوں کے چٹخارے نے اور کچالوؤں کے تیز نمک مرچ نے سب کا مزا بگڑا ہوا ہے۔

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں!

حضرات! بات یہ ہے کہ،

اہلِ زمانہ را ہوس آب و خبز و بس
کس را جرعہ ز چاشنی خون نمی دہم

افسوس آپ اس لذت سے واقف ہی نہیں ہیں۔ آپ نے اس مزے کو چکھا ہی نہیں ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ،

ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

حضرات! آپ میں سب سے بڑا وہ ہے، جو آپ کے لئے ہر ایک ایثار و قربانی کے لئے آمادہ و تیار ہو۔ کیونکہ مشہور ہے۔ Those who do not

Knoa how to die know not how to live یعنی زندگی درمردن است۔ یعنی جو لوگ موت کا راز نہیں جانتے وہ زندگی کا لطف نہیں اٹھا سکتے۔

حضرات! اب کوشش یہ ہے کہ کچھ بیوقوف ہندوستانیوں کو پھسلایا جائے تاکہ وہ خود کہہ دیں کہ فلاں کو پھانسی دیدو یا فلاں کو کالے پانی بھیجدو۔ فلاں کو جیل میں ڈالدو اس کے متعلق میرے اس خیال کو دہلی کے ایک شاعر نے بھی نظم کیا ہے، کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ان کا کیا ہے، انھوں نے تو گھی کا چراغ اسی لئے جلایا ہے۔ حضرات میں جیل میں ہو آیا ہوں۔ امتحان دے چکا ہوں۔ اگر اب بھی مزید آزمائش منظور ہے، تو بقول شاعر

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

Violence یعنی تشدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں علانیہ دارالسلطنت میں کہتا ہوں، کہ میرے رسولؐ نے مجھے ہنسا کی اجازت دی ہے اور پھر اہنسا کی بھی۔ لیکن ہر ایک چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ ہم نے مہاتما گاندھی سے عہد کرلیا ہے، اور ہمارا یقین ہے کہ زیادتی تشدد سے ہم اس جنگ میں ہار جائیں گے۔ ہم کو اپنی تھوڑی سی قوت کو ایک بخیل بنئے کی طرح کام میں لانی چاہیئے۔ تاکہ ٹمٹماتا ہوا چراغ صبح پکڑے ہم کو اپنے جوش کو نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اپنے قابو میں رکھنا چاہیئے میں گورنمنٹ کو ایک پیغام دینا چاہتا ہوں۔ گو اس کو پیغام دینے کا اب زمانہ گیا۔ مگر

نہیں، آج بھی گورنمنٹ کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں۔ کہ اگر وہ آج بھی خلافت کے مسئلہ اور مظالم پنجاب کے متعلق خود اپنی بہتری کے لئے انصاف سے کام لے، تو خود اس کے لئے بہت بہتر ہوگا۔ ورنہ چاہے وہ قید کرے یا مار ڈالے، مگر اب ہندوستان کی وہ حالت نہیں رہی اب (Repression) ظلم و تشدد کا زمانہ نہیں رہا۔ چاہئے کہ وہ ایک دفعہ اور آزمالیں۔

آج ہماری عورتوں کو چاہئے کہ وہ کہدیں کہ ہماری اولاد وہ اولاد ہے اور ہمارے مرد وہ مرد ہیں جو ملک اور دھرم کی خاطر سر دیں۔ کیونکہ جب تک ہماری عورتیں اس طرح نہیں کہیں گی۔ اس وقت تک ہماری ہمتیں ہرگز نہیں بڑھیں گی۔

میں زمانہ نظربندی میں اس سانحۂ روح فرسا کے متعلق جو ۳۰ مارچ کو دہلی میں پیش آیا۔ اس سے متاثر ہو کر ذیل کے کچھ اشعار کہے تھے، وہ یہ ہیں۔

کلمۂ حق ہے اگر وردِ زبانِ دہلی — مٹ سکے گا نہ کبھی نام و نشانِ دہلی
لب پہ آئے نہ کبھی شکوۂ جورِ اغیار — ہو زمانہ سے الگ طرزِ فغانِ دہلی
سرفروشی کیلئے جمع ہیں سب پیر و جواں — آج رونق پہ ہے کس درجہ دکانِ دہلی
سنگ ریزوں سے زیادہ نہیں گولی چھرے — یوں ڈگیگا نہ کبھی سیلِ روانِ دہلی
للہ الحمد کشادہ ہے رہِ صبر و رضا — ہو کے بیخوف بڑھیں راہروانِ دہلی

حق کے آتے ہی ہوا کعبہ سے باطل رخصت
چند دن اور ہیں یہ دہلی میں بتانِ دہلی

صدارتی خطبہ

ادارۂ خلافت کانفرنس

۲۵ر فروری ۱۹۲۱ء بہ مقام لکھنؤ

۲۵ر فروری ۲۱ء کو بمقام لکھنؤ۔ ادارہ کانفرنس کے صدر کی، حیثیت سے مولانا محمد علی صاحب نے ایک زبردست خطبۂ صدارت زبانی ارشاد فرمایا۔ اگر ضبطِ تحریر میں آگیا ہوتا تو موجودہ زمانہ میں سب سے زبردست تصنیف میں شمار ہوتا۔ لیکن افسوس کہ پورا نہ لکھا جا سکا، ذیل میں اس کا اقتباس ہے +

حضرات! مجھے افسوس ہے، کہ میں خطبۂ صدارت تحریر نہ کر سکا۔ مگر اس کا زیادہ افسوس بھی نہیں ہے کیونکہ ادبیاتِ شاعری اور مقرری کا سب وقت جا چکا، جو کچھ تھوڑا بہت باقی ہے وہ عمل کا ہے اور اسی پر سب کو مائل ہونا چاہیئے۔ میں اس پہلو سے اس کانفرنس کو بہت مفید سمجھتا ہوں۔ کہ بہت سے ہمدردانِ ملک و قوم مختلف مقامات سے آکر اس میں شریک ہوئے ہیں۔ اور ہمارے ہندو بھائی بھی معقول تعداد میں موجود ہیں۔ کانفرنس میں باہمی تبادلۂ خیالات و مشورہ سے یہ قرار دینے کا موقعہ ہے

کہ ہمیں اَب مسائل خلافت کو حل کرنے اور آئندہ کسی قسم کی مشکلات پیدا نہ ہونے دینے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں ؟

مسئلۂ خلافت

مسئلۂ خلافت اگر ابتدائی مسئلہ ہوتا، تو میں ثابت کرنے کی کوشش کرتا کہ کب سے ہے اور کب تک رہے گا۔ مسئلۂ خلافت پر گذشتہ چار سال کے اندر بہت کچھ کہا جاچکا ہے۔ کوئی پہلو اب بیان کرنے کو باقی نہیں ہے۔ یہ مسئلہ ابتدائے تخلیقِ عالم میں پیدا ہوگیا تھا۔ حضرت آدم صفی اللہ کو خدائے تعالےٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ جس طرح یہ نسلِ انسانی کا سلسلہ دنیا میں جاری ہونے کے وقت شروع ہوا ہے۔ اسی طرح آخر وقت (قیامت) تک رہے گا۔ اور اس کے متعلق جو فرائض مسلمانوں پر عاید ہوئے ہیں، وہ قائم رہیں گے۔ یہ سب کچھ پہلے دکھایا اور ثابت کیا جاچکا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ لکھنؤ جیسے شہر میں جہاں مسلمانوں کی تعداد کثیر آباد ہے اور جہاں صدیوں سے برابر مشعلِ علم، انتہائی ظلمت و تاریکی کے باوجود بھی جلتی رہی ہے، وہاں آج سنہ ۱۹۲۱ء میں بھی اس کی ضرورت پیش آئے کہ مسئلہ خلافت کے اہم پہلوؤں کی تشریح کی جائے۔ بحمد اللہ کہ اس کے ظاہر اور ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ جو حالت اس وقت موجود ہے اس کی بابت میں چند کلمات کہوں گا۔ جن سے یہ ظاہر ہوگا کہ اس وقت ہمیں کیا تدبیر عمل میں لانی چاہیئے۔ کہ ہمارے مطالبات کی نسبت غلط فہمیاں پھیلانے کی جو کوشش جاری ہوئی ہے وہ بے اثر ہو جائے اور دوسروں کو دھوکے میں آنے سے بچانے کے ساتھ ہم خود بھی دھوکا کھانے سے محفوظ رہیں۔

ترک اور اتحادی

لکھنؤ روانہ ہونے سے دو تین روز پہلے جو اخبارات مجھے ملے تھے، اُن کے پرچے ہیں۔ شاید آپ اس امر کو میری کاہلی پر محمول فرمائیں، کہ میں خطبۂ صدارت نہیں لکھ کر لایا اور اخبارات کے مضمون آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ مگر کوئی دلائل موجودہ صورتِ حال اور برطانوی گورنمنٹ کی روش کو اس طرح ثابت نہیں کر سکتے، جس طرح یہ اقتباسات ثابت کر سکتے ہیں۔ چند ہفتے قبل مشیر حسین صاحب نے ولایت سے بذریعہ تار اطلاع دی تھی۔ کہ فرانس و اٹلی کی گورنمنٹیں تو چاہتی ہیں کہ ترکوں کے ساتھ انصاف کیا جائے مگر انگلستان اس کے خلاف ہے۔

اس تار کے شائع ہونے پر یہی نہیں کہ گورنمنٹ ہند نے اس کی تردید کی، بلکہ گورنمنٹ انگلستان کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی، کہ ہندوستان میں اس کی تردید کی جائے۔ چنانچہ تردید کی گئی۔ مگر دیکھیئے کہ وہی بات آج خود انگلشمین۔ پایونیر۔ اسٹیٹسمین وغیرہ لکھ رہے ہیں۔ کہ فرانس و اٹلی کو قوم پرور ترکوں کے مطالبات سے ہمدردی ہے۔ مگر انگلستان اب بھی یونانیوں کی پیٹھ ٹھونک رہا ہے اور اُن کو مدد پہنچا رہا ہے۔ جو حالت اس وقت ہے وہ ان ٹکڑوں سے ثابت ہو جائے گی۔ یہ کامریڈ مرحوم یا ہمدرد کے اقتباسات نہیں ہیں اور ہمدم کے بھی نہیں ہیں۔ بلکہ ولایت کے اخبار ٹائمس ڈیلی ٹیلیگراف کے اور ہندوستان کے پایونیر و انگلشمین وغیرہ کے ہیں۔ اس کے بعد مولانا محمد علی نے بعض اقتباسات پڑھ کر سنائے۔ جن میں تازہ لندن کانفرنس پر بحث کرتے ہوئے انگریزی اخبارات کے نامہ نگاران پیرس و روما نے اطلاع دی ہے، کہ فرانس

دائمی میں عام طور سے یہی یقین کیا جاتا ہے کہ یونان صرف انگلستان کی پشت پر ہونے سے عہد نامہ سیورے کی ترمیم کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ورنہ وہ موجودہ صورت حال سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ انگلشمین نے برطانوی شہنشاہی گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے کہ اس کو مسلمانانِ ہند کے جذبات پر جو طاقتور طریقوں سے ظاہر ہو رہے ہیں نظر کرنی چاہیئے، اور عہد نامۂ سیورے میں ایسی ترمیم کر دینی چاہیئے کہ مسلمانوں کو تسکین ہو جائے۔

موجودہ حالت ہمارے اور ترکوں کے مطالبات کی یہ ہے کہ ہم اُس صلح نامہ کو جس پر گذشتہ اگست میں غدّار جماعت نے دستخط کر دیئے ہیں، کالعدم سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کرنا نہیں چاہتے۔ اگر چاہیں بھی تو کر نہیں سکتے۔ اب ایک نیا عہد نامہ مرتب ہونا چاہیئے جس میں اسلام کے احکام اور ترکوں کے سیاسی حقوق کا لحاظ رکھا جائے۔ جو واقعات حال میں پیش آئے ہیں ان کی وجہ سے انگلستان اب اِس پر رضامند ہوا ہے کہ اس عہدنامہ پر دوبارہ غور کیا جائے، اور بعض دفعات میں ترمیم کر دی جائے۔ حالانکہ جب یہ عہدنامہ لکھا گیا تھا۔ اس وقت ہز ایکسلنسی وائسرائے نے ایک طویل بیان شائع کر کے مسلمانوں سے اظہارِ ہمدردی فرمایا تھا، اور کہا تھا کہ اب جو عہد نامہ پر دستخط ہو گئے ہیں۔ تو مسلمانوں کو وفاداری کے ساتھ اس کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔

ہماری وفاداری

ہم نے کہا کہ بے شک وفاداری ہمارا فرض ہے۔ مگر ہم پر جب ایک دوسری وفاداری بھی عائد ہوتی ہے، جو خالقِ کائنات کی ہے۔ روزِ ازل میں جب ہم سے

پوچھا گیا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ تو ہم نے اس وقت جواب دیا تھا کہ " بلیٰ "۔ حکومت کی اطاعت ہم کرتے رہے ہیں، مگر جس امر میں خالق کی نافرمانی ہو۔ اس میں کسی مخلوق کی اطاعت کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ خیر اس وقت عہد نامہ صلح ٹرکی کے متعلق ہماری باتوں پر کان نہ دھرا گیا۔ مگر آج ہماری جماعت (کارکنانِ خلافت) کے صدر کو صلح کی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے اور وہ اِس غرض کے لئے لندن روانہ ہو گئے ہیں۔ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ اپنے مطالبات کو پھر ایک مرتبہ دُہرائیں اور ان کے ہاتھوں کو مضبوط کریں :

ذاتی تجربے اور مشاہدے

ہم میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی موجود ہے اور بظاہر گورنمنٹ اس کی کمک پر آمادہ ہو۔ جو یہ کہتی ہے کہ تھریس و سمرنا کا یونانیوں کے قبضہ میں رہنا ٹرکی و اسلام دونوں کے لئے سخت مضرت رساں ہو۔ اور ان کی واپسی پر زیادہ سے زیادہ زور دینا چاہئے اگر یہ واپس نہ ہوں گے تو ان میں مسلمانوں کے جو معابد و مقابر ہیں۔ اسلام کے جو آثار ہیں وہ اسی طرح معدوم و فنا ہو جائیں گے۔ جس طرح کریٹ، تھسلی اور مقدونیہ کے یونانیوں کے قبضہ میں جانے پر وہاں کے آثار اسلامی مٹ گئے ہیں اس کے بعد مولانا محمد علی نے تھریس و سمرنا کے جغرافیائی موقعہ تاریخی روایات اور اقتصادی حیثیت کی تشریح کی اور کہا کہ

" وزا اور فرید پاشا جیسے غدار نے بھی کہا کہ علاقۂ سمرنا و تھریس کے نکل جانے سے ٹرکی کی آدھی سے زیادہ قوت نکل جاتی ہو سلطنت

عثمانیہ اور خود خلافت کے لئے سمرنا کا ترکوں کے قبضہ میں رہنا ضروری ہے۔ اگر یہ بندرگاہ ہاتھ سے نکل گئی، تو ٹرکی کی اقتصادی حیثیت پر ایسی شدید ضرب لگے گی جس سے اس کا جانبر ہونا دشوار ہے۔

تھریس کی تشریح کے سلسلہ میں مولانا محمد علی نے جعفر تیار پاشا کمانیر قوم پرور ترکی افواجِ تھریس کے رفقاء کی ملاقات کا بھی حوالہ دیا، جو روما کے ہوٹل میں ان سے ملنے آئے تھے، اور یہ دریافت کرتے تھے کہ آیا ہندوستان سے انھیں کوئی مدد مل سکتی ہے اور جب مولانا محمد علی نے ان سے دریافت کیا تھا کہ آیا کسی اور طرف سے ان کو مدد نہیں مل سکتی: تو انھوں نے کہا تھا کہ ہمارے ایک طرف سمندر ہے، جس میں یونانی و انگریزی جنگی جہاز کھڑے ہیں اور دوسری سمت بلغاریہ ہے، جو صرف اس حالت میں مدد دینی چاہتا ہے کہ ہم خلافت سے اپنے رشتۂ عقیدت کو منقطع کر دیں۔ مگر ہم اس کو ایمان کے خلاف سمجھتے ہیں اور ایسا نہیں کر سکتے۔ ایک تیسری سمت اور باقی ہے۔ جہاں سے پہلے ہمارے پاس رسد کمک سب کچھ آیا کرتی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ خود خلیفۃ المسلمین کے احکام پہنچتے تھے جو ہماری ہمتوں کو بڑھاتے تھے۔ مگر آج ہمارے دار الخلافہ پر غیروں کا اقتدار ہے اور اس طرف سے رسد و کمک احکامِ خلافت کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ ہم بلغاریوں کے ملک میں جا کر ہتھیار دیدینا اس سے اچھا سمجھتے ہیں کہ اپنے ملک میں قسطنطنیہ کی سمت ہٹیں۔ کیوں کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو فوراً قید کر کے مالٹا یا کہیں اور بھیجدیئے جائیں گے۔

میرے دو ترک دوست جو زمانۂ جنگ میں بھی انگلستان رہتے تھے، حالانکہ اس زمانہ میں ہندوستانیوں کو بھی انگلستان جانے کی اجازت نہ تھی، اسی بات سے

سمجھ لیجئے کہ ان ترکوں پر انگلینڈ کو کس قدر بھروسہ تھا۔ کہ زمانۂ جنگ میں آزادانہ ان میں رہتے تھے، جن کے بزرگ سمرنا میں بود و باش رکھتے تھے۔ میری خواہش پر گورنمنٹ انگلینڈ سے پاسپورٹ لے کر وہ سمرنا میں گئے، کہ اپنی آنکھ سے وہاں کے حالات کا مشاہدہ کریں۔ انھوں نے خود ان مظالم کا ذکر کیا۔ جو یونانیوں نے اپنے قبضہ کے بعد وہاں انگریزی فوج کی موجودگی میں توڑے ہیں اور جن کی وجہ سے شریف گھرانوں کی خواتین اپنے گود کے بچوں کو یونانی درندوں کے سموں سے کچلتا ہوا دیکھنا پسند کرتی تھیں اور خود پہاڑوں میں بھاگ جاتی ہیں۔ اور یہ کس لئے؟ اپنی نہیں۔ ترکوں کی نہیں اسلام کی ناموس بچانے کے لئے یہ حالات خود انھوں نے آکر بیان کئے۔ یہ انگریزوں کے دوستوں کے الفاظ ہیں۔ یہ ان اشخاص کے الفاظ ہیں جو غازی انور پاشا اور غازی طلعت پاشا کو بُرا کہتے تھے۔ اس سے زیادہ ظالم کی سچائی کے متعلق کیا شہادت ہو سکتی ہے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ تھریس و سمرنا کی میرے دل میں کتنی محبت ہے؟ گر جو بھائی اس وقت ان کو یونانیوں کے قبضہ سے نکال کر ترکوں کو دلائے جانے میں سلبی ہیں۔ وہ حقیقی صورت حال سے بے خبر ہیں اور اپنی اس کوشش میں ترکوں یا مسلمانوں کے ساتھ کوئی بھلائی نہیں کر رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تھریس و سمرنا کا فیصلہ خود ہمارے ترک بھائیوں نے اپنی تلواروں کے زور سے کر لیا ہے۔ ہمارے لئے صرف یہ باقی ہے کہ ہم ان کے کئے ہوئے پر صاد کریں اور ان کو اپنی تائید کا یقین دلائیں۔ یہ کیا اتحادیوں کی اتنی بڑی بڑی سلطنتیں صرف تھریس و سمرنا کو یونانیوں سے واپس دلانے کے لئے کانفرنس کا اہتمام کر رہی ہیں؟ نہیں بلکہ اصلی غرض اس کانفرنس کی یہ ہے کہ انگلستان مسلمانوں کی عزیز ترین چیز یعنی عراق و فلسطین اور فرانس ارضِ پاک شام کو لینا چاہتا کہ

اور تھریس و سمرنا واپس دلا کر اور عہد نامہ میں جزوی ترمیمات سے اپنے ان ممالک پر اپنے قبضہ کی تصدیق کرانی چاہتا ہے۔

پھر مولانا نے فلسطین پر انگریزی اقتدار قائم کئے جانے کی اغراض بیان کرتے ہوئے جتایا کہ ترکوں کے خلاف جنگ کی مذہبی حیثیت انگریزی قوم کے دلوں میں موجود تھی۔ اگرچہ ہماری تسکین کے لئے اس کے مذہبی نہ ہونے کا اعلان کیا گیا تھا۔ خود مسٹر لائڈ جارج نے جنرل لارڈ ایلنبائی کے لئے انعام کی تحریک کرتے ہوئے پارلیمنٹ میں جو تقریر کی اس میں اس کو آخری صلیبی جنگ سے نسبت دی۔

جس چیز پر زور دینے کے لئے اتنی خلافت کانفرنسیں ہوئیں۔ اس قدر تقریریں ہوئیں کہ ہمارے پولیس کے بھائیوں کے ہاتھ کتنے کتنے دکھ گئے۔ تھریس اور سمرنا کے لئے نہیں ہوئیں بلکہ اس ارضِ مقدس کے لئے جسے فلسطین کہتے ہیں۔ اور جسے ولایت بصرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جہاں ایوب انصاری و رابعہ بصری ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ آہ! وہ رابعہ بصری جنھوں نے نمازِ عشق (اللہ) کی رکعتوں کا وضو، بجائے پانی کے خون سے کرنے کو تبلایا تھا۔

عـــزیزانِ من! فلسطین انگریزوں کو کیوں محبوب ہے۔ ایک تو اس کی وجہ یہ کہ انھیں اسلام سے بغض ہے دوسرا یہ کہ وہ موصل کے تیل کو براہِ راست بذریعہ پائپ حیفہ تک لیجانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انگلستان کے وزراء صرف دو گھنٹہ کام کرتے ہیں۔ اور باقی وقت سوسائٹی میں خرچ کرتے ہیں۔ اور ان اوقات میں ان کی ملاقات ایسے لوگوں سے ہوتی رہتی ہے، جیسے کہ آج بشپ آف [illegible] بری جس نے مطالبہ کیا ہے کہ جامع اباصوفیہ کو گرجا بنا دینا چاہیئے۔ وہ ظلم

خلیفہ عمرؓ نے مشو کے ایک تھیلے سے شکم پوری کر کے چودہ پیوند کا کرتا اور اونٹ پر غلام کو سوار کر کے فتح کیا تھا۔ اور جس کی کنجی خود عیسائی راہبوں نے حضرت عمرؓ کو پیش کی تھی، وہ کنجی بقول جنرل ایلنبائی دو تہائی مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کے خون میں لتھڑ کر پھر اسی کنجی کو نصاریٰ کے ہاتھ میں دے دیا۔

مصر اور ہندوستان

اس کے بعد مولانا موصوف نے انگریزی قبضۂ مصر کے اصلی سبب کی طرف اشارہ کیا، کہ "نہر سویز" میں ہندوستان کا راستہ ہے۔ اس کے بعد اہل مصر کی اس جد و جہد کا حوالہ دیا۔ جو وہ بغرض حصولِ آزادی کر رہے ہیں اور جس میں اب یہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے کہ لارڈ ملز نے مصر کو حکومتِ خود اختیاری دیئے جانے کی سفارش کی ہے۔ مگر انگلستان کو ہندوستان کا راستہ اپنے قبضہ میں رکھنے کی فکر ہے اور اس غرض سے وہ مصر کے نہر کے علاقہ میں اپنی کچھ فوج رکھنی چاہتا ہے تاہم چوں کہ مصریوں کی طرف سے اندیشہ لگا ہوا ہے، اس لئے اس نے نہر کی دوسری سمت مورچے بنانے اور فوجیں رکھنے کا فیصلہ کیا ہے اور غرض سے وہ فلسطین میں اپنا اقتدار چاہتا ہے۔

تیسری غرض انگریزی قبضۂ فلسطین کی یہ بتائی۔ کہ انگریزی بیڑے کو مٹی کے تیل کی ضرورت ہے، اور چونکہ موصل میں تیل کے سرچشمے دریافت ہوئے ہیں اس لئے ایک طرف عراق پر تسلط قائم کیا جاتا ہے، اور دوسری جانب فلسطین پر اقتدار جمایا جاتا ہے تاکہ موصل سے حیفا (بندرگاہِ فلسطین) تک نلوں کی ایک لائن بنائی

جائے اور اس تیل کو بآسانی حاصل کیا جائے۔

جزیرۃ العرب

اس کے بعد مولانا محمد علی نے اسلامی پہلو سے عراق۔ فلسطین و شام کی عظمت واہمیّت کا حوالہ دیا، اور بصرہ کی شان دار اسلامی روایات کا ذکر کیا۔ اور ان علاقوں کے جزیرۃ العرب میں شامل ہونے پر خیال رجوع کر کے فرمایا کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ جزیرۃ العرب کو اغیار کی مداخلت سے محفوظ رکھیں۔ جس کی بابت رسولِ اکرمؐ کی صریح وصیت موجود ہے اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان کا اہم فرض ہے۔ اور تھریس و سمرنا کی نسبت انھوں نے اطمینان دلایا کہ قوم پرور ترکوں نے ان کی واپسی کا خود انتظام کر لیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یونان میں جو انقلابِ حکومت ہوا ہے اُس سے ترکوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا۔ بلکہ جو کچھ قوم پرور ترکوں نے ایشیائے کوچک میں کیا ہے اُس کا یہ نتیجہ یونان میں ظاہر ہوا ہے۔

میں نے گزشتہ جون ہی میں ولایت سے لکھ کر بھیجا تھا۔ یونان کو کس طرح بڑھائے دیئے جا رہے ہیں اور اس کے ہاتھوں ٹرکی کے متعلق اپنی اغراض پوری کرانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ لیکن اگر یونان، کامیاب نہ ہوا اور عسکی شہر اور افیون قرہ حصار جیسے مقامات کو لے کر قوم پرور ترکوں کی قوت کو ختم نہ کر سکا تو جو یونانی سپاہ جبریہ بھرتی کے ذریعہ سے فراہم ہوئی ہے۔ وہ پہلے موسیو وینیزیلاس اور پھر مسٹر لائڈ جارج کی مخالف ہو گی۔

یہ ہی صورت پیش آئی کہ جب یونانیوں کو فتح نصیب نہ ہو سکی اور یونان کی جارحانہ

کارروائی ختم ہوچکی۔ اور وہ وقت آیا کہ ترک جو اپنی قوت مضبوط کرچکے ہیں، موسم بہار میں یونانیوں کے برخلاف سخت جارحانہ کارروائی کریں۔ تو یونانی فوج نے جو بیکار خندقوں میں پڑی رہی تھی، جی ہار دیا اور ان ہی سپاہیوں نے جن کو حق رائے حاصل تھا۔ دینیزلاس کے خلاف ووٹ دے کر اس کو ملکی حکومت سے علیحدہ کر دیا اور معزول شاہ قسطنطین کو واپس بلا لیا۔

آپ یہ نہ سمجھئے کہ یکایک آسمان سے کوئی بلا نازل ہوئی جس سے یونان میں انقلاب ہوگیا۔ بلکہ یہ نتیجہ اس کام کا ہے جو بروصہ و سمرنا میں ترکوں کی تلوار کر رہی تھی۔ جہاں تک میں قیاس کرسکتا ہوں اب انگلستان کی ڈپلومیسی کی قوت اس پر خرچ ہورہی ہے کہ شاہ قسطنطین کو جو پہلے دشمن سمجھا جاتا تھا، اپنا دوست بنا لیا جائے مگر فرانس و اٹلی اس کے خلاف ہیں اور وہ ٹرکی کے اہم علاقوں پر یونانی قبضہ کے قیام کو مشرقِ ادنیٰ میں فتنہ و فساد کا مستقل باعث جانتے ہیں۔ انگلستان جو کبھی کبھی جرمنی کی حمایت کرنے لگتا ہے۔ اس سے فرانس پر دباؤ ڈالنا مقصود ہوتا ہے کیونکہ جرمن جہاز جن سے انگلستان کو کسی خطرہ کا احتمال ہوسکتا تھا ڈبوئے جاچکے ہیں اور اُس کی بری فوج کا اثر فرانس پر پڑتا ہے۔

عراق

عراق میں اس وقت وہاں کے شیعہ باشندے سنیوں سے بڑھ کر حصولِ آزادی کی جد و جہد کر رہے ہیں۔ اس لئے انگلستان میں بحثیں ہو رہی ہیں۔ ایک گروہ جس کا آرگن ”مارننگ پوسٹ“ ہے کہتا ہے کہ سارے عراق پر انگریزی

قبضہ قائم رکھا جائے۔ دوسرا جس کے آرگن لبرل ولیبر اخبارات ہیں، کہتا ہے کہ نہیں یہ بڑی بے انصافی ہے اور سارے ملک پر قبضہ رکھنے میں اخراجات بھی بہت زیادہ ہوں گے۔ اس لئے صرف بصرہ کی ولایت کو جہاں تک جنگی جہاز و نگر گولے کام کر سکتے ہیں، اپنے قبضہ میں رکھا جائے۔ اور باقی ملک باشندگان عراق کے سپرد کر دیا جائے۔ مگر مسلمانوں کا مذہبی فرض یہ ہے کہ وہ تمام جزیرۃ العرب کو غیروں کی مداخلت سے محفوظ رکھیں۔ اس لئے آپ تھریس وسمرنا کے خیال کو دل سے نکال دیجئے اور فلسطین وبصرہ کی فکر کیجئے۔ کیونکہ تھریس وسمرنا کا معاملہ ہمارے بھائی قوم پرور ترک اپنی تلوار کے زور سے تقریباً فیصل کر چکے ہیں۔ آپ صرف ان کی تائید کریں اور ان دونوں علاقوں کی بابت اطمینان رکھیں البتہ جب کہ ایک کانفرنس صلح لندن میں اجلاس کر رہی ہے تو آپ کو اپنا مطالبہ ایک بار پھر پوری قوت کے ساتھ جتا دینا چاہئے اور اپنے قائم مقاموں کے ہاتھوں کو مضبوط کرنا چاہیئے۔ یہ اہتمام اور کد و کاوش یونانیوں کو تھریس اور سمرنا سے نکالنے کے لئے نہیں کیجا رہی ہے۔ بلکہ اصل مدعا فلسطین، عراق وشام پر قبضہ جمانا اور اس کے متعلق کامل اطمینان بہم پہنچانا ہے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ جزیرۃ العرب کے کسی حصہ میں بھی غیر اسلامی اقتدار یا اثر باقی نہ رہنے دیں۔ دہلی کی کونسل میں یعنی نام نہاد اصلاح کے بعد جو کونسل بنی ہے اس میں ان دونوں خلافت کا مسئلہ پیش ہوا، اور ایک ایسے بھائی نے جو بڑے جوش وخروش سے ہمارے ساتھ مل کر کام کر رہے تھے یعنی بھرگری صاحب نے اس کو اٹھایا۔ مگر افسوس ہے کہ جہاں جزیرۃ العرب کا معاملہ آیا وہاں وہ ہچکچا گئے۔ اور صرف اتنا کہا کہ مکہ و مدینہ پر خلیفۃ المسلمین کی برائے نام

سیادت رکھی جائے۔ حالانکہ مسلمانوں کا ہرگز یہ مطالبہ نہیں ہے، کہ وہ جزیرۃ العرب پر خلیفہ کا پورا مذہبی اقتدار چاہتے ہیں، جس کو برقرار رکھ کر عربوں کو ان کے ملک میں حکومتِ خود اختیاری دیجا سکتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے۔ اور مسٹر پوسیول لنڈن نے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف میں لکھا ہے کہ محمد علی چاہتے ہیں کہ عربوں کو زبردستی ترکوں کی حکومت کے ماتحت لایا جائے۔ وفد خلافت کے قیام انگلستان کے ایام میں اخبار لندن ٹائمس میں بھی اس قسم کا مضمون نکلا تھا۔ کہ کیا ارکان وفد کی یہ خواہش ہے کہ برطانوی سنگینوں کے ذریعہ سے عربوں سے ترکوں کی حکومت منوائی جائے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ہرگز اس کے خواہشمند نہیں ہیں کہ برطانوی سنگینیں برطانیہ کے باہر کہیں بھی جائیں۔ یہ مسئلہ خالص مسلمانوں کا ہے اور نہ وہ اس میں کسی بیرونی مداخلت کے روادار نہیں۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے، کہ انگلستان و فرانس جزیرۃ العرب سے اپنے قدم ہٹالیں۔ کسی قسم کا بلاواسطہ یا بالواسطہ اثر کسی غیر اسلامی طاقت کا وہاں باقی نہ رہے بھرگرمی صاحب نے بھی کونسل میں یہی کہا مگر جب تفصیل کا موقع آیا تو وہ پیچھے ہٹ گئے، اور فرمایا کہ صرف مکہ و مدینہ میں خلیفۃ المسلمین کا اقتدار باقی رکھنا چاہیئے۔ حالانکہ جزیرۃ العرب کا مسئلہ خلافت سے علٰحدہ ہے اگر خلافت کا سوال اس وقت پیدا نہ ہوتا تو بھی جزیرۃ العرب کے بارہ میں مسلمانوں کا یہ فرض باقی رہتا کہ اس کے ایک چپّہ پر بھی غیروں کا قبضہ براہِ راست یا اقتدار بالواسطہ نہ ہونا چاہیئے۔

رسولِ اکرم نے اِس بارہ میں جو وصیّت فرمائی ہے، وہ بالکل صاف ہے۔ یہ وصیّت صرف عربوں کو نہ تھی۔ بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو تھی۔ وہ جو یا اَیُّھَا المؤمنون

کے مخاطب صحیح ہیں۔ یہ مسئلہ عرب کا نہیں ہے۔ افغانستان کے متعلق افغانوں کو، ایران کی نسبت ایرانیوں کو، مصر کی بابت مصریوں کو اس کی فکر ہو سکتی ہے کہ اغیار کے قدم نہ جمنے پائیں۔ مگر جزیرۃ العرب کا مسئلہ مسلمانانِ عالم کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ ہر مسلمان پر خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی بستا ہو، یہ فرض یکساں طور پر عائد ہوتا ہے۔ لوگ مختلف علاقوں کی بابت لیگ اقوام سے حکم برداری پانے کے دعویدار ہیں، مگر یہ وہ پاک سرزمین ہے۔ جس کی نسبت ہمیں ایزدِ جل و علا کی بارگاہ سے مینڈیٹ (حکم برداری) مل چکا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہم کسی دنیوی طاقت کو ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

اگر سارے عرب متحد ہو کر کسی غیر مسلم کو دعوت دیں کہ وہ ذرا سا بھی تسلط و تصرف وہاں کی کسی چپّہ بھر زمین پر کرے۔ تو سارے مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس کو روکیں۔ یہ مسلمانوں پر ایک اہم ذمہ داری ہے۔ خلافت کا مسئلہ بیچ میں ہوتا یا نہ ہوتا، اگر ہم جزیرۃ العرب کے معاملے میں کسی غیر قوم کی مداخلت گوارا نہیں کر سکتے علمائے کرام کا اس کے متعلق فتویٰ موجود ہے۔ اگر پھر بھی کسی کو شبہ یا غلط فہمی ہو تو اس مادہ کا نفرنس، اس کو صاف کر دینا چاہیئے، کہ مسلمانوں کا مطالبہ کیا ہے کوئی برائے نام سیادت اور وہ بھی صرف مکّہ و مدینہ کے لئے، ہمارا دل قبول نہیں کرتا۔

خلافت جملہ مسلمانانِ عالم کے لئے شیرازہ بند ہے۔ تو امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین ہی عرب کے انتظام کی نسبت مناسب فیصلہ کر سکتے ہیں۔ مگر ہم خود اس کی سفارش کریں گے کہ عربوں کو ان کے ملک میں حکومتِ خود اختیاری دی جائے اور حقوقِ آزادی عطا کئے جائیں۔

لائڈ جارج کا سوال

مسٹر لائڈ جارج نے اپنے نزدیک ہم (ارکانِ وفد خلافت) سے یہ بہت بڑھا سوال پوچھا تھا کہ

"کیا ہم عربوں کو آزادی دینا پسند نہیں کرتے، جب کہ وہ اس کے طلب گار ہیں اور اپنے ملک کی آزادی کا اعلان کر چکے ہیں"

ہم نے کہا کہ "ہم ضرور چاہتے ہیں۔ مگر عرب کو آزادی دینا آپ کا منصب نہیں بلکہ مسلمانوں کا کام ہے، آپ وہاں سے اپنا اقتدار اُٹھالیں، عربوں کو آزادی مل جائے گی۔ کیوں کہ جس طرح جزیرۃ العرب کے متعلق رسولِ اکرم کی وصیت ہے اسی طرح اللہ کی ہدایت ہے (قرآن مجید کی آیت) کو جب مسلمانوں میں باہمی نزاع واقع ہو تو تم ان میں صلح کرا دو" اس کے بموجب مسلمانانِ ہند کا یہ مذہبی فرض ہو کہ ترکوں اور عربوں کے درمیان کے واسطہ بنیں اور ان میں صلح کرا دیں۔ شام میں شامیوں کو عراق میں عراقیوں کو۔ عرب میں عربوں کو قومی حکومتِ خود اختیاری دی جائے مگر جو شان خلیفۃ المسلمین کی ہے وہ برقرار رہنی چاہیئے، صرف مکۂ معظمہ و مدینۂ منورہ پر ان کے برائے نام سیادت ہونے سے کام نہیں چل سکتا۔ ان کا پورا اقتدار وہاں ہونا چاہیئے اور پھر وہ اپنی طرف سے عرب کی حکومت خواہ شریف حسین (ملک الحجاز) کو یا امیر فیصل کو۔ شام کی امیر عبداللہ کو۔ عراق کی نقیب الاشرف صاحب کو سپرد فرمائیں مسلمانوں کو اس میں کوئی وجہ اعتراض نہ ہوگی۔

عدن کو بھی خالی کرنا چاہیئے جو جزیرۃ العرب کا ایک حصہ ہے۔ اور پھر فرمایا کہ

میں نے پہلے بھی کہا تھا۔ اور اب پھر کہتا ہوں کہ جس روز انگلستان، عراق و فلسطین کو خالی کرنے اور عرب سے اپنا اثر و اقتدار اُٹھا لینے کا معاہدہ لکھ دے گا۔ اُسی روز میں فرانس سے شام کو چھوڑ دینے کا معاہدہ لکھوا دوں گا۔ اگر برطانوی گورنمنٹ کوئی معقول وجہ یا دلیل رکھتی ہے تو اس کی تردید کیوں نہیں کرتی۔ جو پہلے ہم نے کہا تھا وہ اب خود انگلستان کے اخبارات لکھ رہے ہیں۔

مُہر گری صاحب نے کونسل میں جو کچھ کہا اگر وہ منشائے شریعت کے موافق نہیں ہے تو آپ کا فرض یہ ہو گا کہ اس کانفرنس میں آپ صاف طور سے جتا دیں کہ ہمارا یہ کام نہیں ہے۔ کہ مکۂ معظمہ و مدینۂ منورہ پر خلیفۃ المسلمین کی تھوڑی سی سیادت قبول کریں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ سارے جزیرۃ العرب کو اغیار کی داخلت سے پاک رکھیں۔

جس صلحنامہ (سیورے) میں اب طوعاً نہیں کرہاً ترمیم کی جا رہی ہے اس کا مضمون جب موصول ہوا تھا، اسی وقت ہم نے پہچان لیا تھا کہ یہ لارڈ کرزن بہلور کا لکھا ہوا ہے جنہوں نے تتمہ بھی لگا نہیں رکھا۔ اس کا ایک ایک حرف ترکوں کے حق میں تیر و نشتر کا حکم رکھتا ہے۔ اِس لئے اس کو بالکل مٹا دیا جائے۔ اور جدید عہد نامہ لکھا جائے، جس میں شریعتِ اسلام کے احکام اور مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ ہو۔

خفیہ معاہدہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صلحنامہ سیورے پر دستخط ہونے سے قبل سلطان المعظم سے ایک خفیہ معاہدہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ خفیہ معاہدات لیگ اقوام کے دستور العمل کے خلاف ہیں۔ افغانستان سے چاہا جاتا ہے کہ بالشویکوں سے اگر اس کا کوئی خفیہ

معاہدہ ہوا ہے تو اس کو وہ روشنی میں لائے۔ حالانکہ خدا جانے کتنے خفیہ معاہدے یورپ و انگلستان کی نظارت ہائے خارجیہ الماریوں کے خانوں میں بند ہیں، پہلے ان کو نکالنا چاہئے۔

مولانا محمد علی نے اس بارہ میں قوم پرور ترکوں کے خیالات ظاہر کئے اور پھر جتایا کہ خلیفہ زمین پر نائب رسول ہے۔ لیکن اگر کسی معاملہ میں وہ خلافِ شریعت عمل کرے تو اس کو معزول کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ جب تم میں سے کسی بات پر جھگڑا ہو، تو اس کو اللہ کے سپرد کر دو۔ یعنی ایسے معاملہ پر قرآن مجید و شرعِ اسلام میں جو احکام ہوں، ان کے مطابق فیصلہ کرو۔ پس مسلمان اسی پر کاربند ہوں گے اور خلیفۃ المسلمین یا قوم پرور ترک بھی اگر جزیرۃ العرب کے بارہ میں کوئی ایسی بات قبول کرلیں، جو شرعِ اسلام کے منشاء کے خلاف ہو، تو اس کو ہرگز نہ مانیں گے۔

گورنمنٹِ ہند نے ہماری حمایت اور سفارش نہیں کی، بلکہ اس نے وہ تمام کوششیں جاری رکھیں، جو ٹرکی سے جنگ شروع ہونے سے پیشتر کیں۔ اور اس وقت تک جاری رہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے دہلی کے مولوی عبدالحق مرحوم مصنف تفسیرِ حقانی کی اُس خط و کتابت کو جو مولانا عبدالباری صاحب سے ہوئی تھی اور اخبار ہمدرد میں شائع کر دی گئی تھی، یاد دلایا اور مسئلہ خلافت پر صحیح مذہبی پہلو سے زور دینے والے اخبارات کی مشکلات کا ذکر کیا اور فرمایا، کہ جب حکومت کے ہوا خواہوں کی ساری کوششیں بیکار ہوئیں اور مسلمان اپنے مذہبی جذبات کے اظہار سے نہ رُکے، تو اب ہمدردی و ترجمانی کے دعوے کئے جاتے ہیں۔ مگر کیا کبھی ہز اکسلینسی وائسرائے نے ولائت یہ لکھ کر بھیجا ہے کہ شریعتِ اسلام کا ایک اہم مسئلہ ہے اور کوئی مسلمان

اسلام سے انحراف کئے بغیر اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔ کیا کبھی یہ کہا ہے کہ مسٹر لائڈ جارج نے خود جرمنی کے آخری طاقتور حملے سے پہلے جو صاف و صریح وعدے کئے تھے ان کو پورا کیا جائے ورنہ مستعفی ہو جائیں گے، بلکہ برخلاف ازیں جب عہد نامہ سیورے پر دستخط ہو گئے تو ہز اکسلینسی کی طرف سے ایک طویل بیان شائع کیا گیا جس میں مسلمانوں سے اظہارِ ہمدردی کرنے کے بعد اس پر زور دیا گیا، کہ اب جو ترکی نمائندگان نے اس پر دستخط کر دیئے ہیں، تو مسلمانوں کو اپنی جدوجہد بند کر دینی چاہیئے اور اس کو مان لینا چاہیئے۔ اس طرح شہنشاہی گورنمنٹ کے احکام کی تعمیل کرانے کی پہلے کوشش کی گئی۔ اور جب وہ کوشش ناکام رہی تو مجبوراً اس کو اس کی اطلاع دی گئی۔ حالانکہ چاہیئے یہ تھا کہ ایسی کوشش سے قبل ہی اس کو مسئلہ کے تمام نازک پہلوؤں سے آگاہ کیا جاتا، اور مسلمانوں کے مطالبات کو اپنا بنانے پر زور دیا جاتا۔

عہد نامہ سیورے

عہد نامہ سیورے کی ترمیم کے متعلق امیدیں بندھائی جا رہی ہیں۔ مگر وہ ترمیم کیسی ہوگی؟ محض جزوی و بیکار۔ مثلاً سلطانِ اعظم کے باڈی گارڈ میں بجائے صرف سات سو سپاہی رکھے گئے ہیں۔ اب کہا جائے گا کہ اچھا ایک ہزار رکھ لو! عہد نامۂ سیورے نے درۂ دانیال و باسفورس کو، جن پر ترکوں کا اقتدار ہو قسطنطنیہ پر ان کا قبضہ محفوظ رہنے کے لئے لازمی ہے، ایک اتحادی کمیشن کے ماتحت رکھا ہے اور ترکوں کو اس پر حقِ نیابت نہیں دیا ہے۔ اب شاید یہ کہا جائے گا۔ کہ اس میں ترکی کا بھی ایک قائم مقام لے لیا جائے گا۔ مگر وہ قائم مقام مخالف کثرتِ رائے کے مقابلہ

میں کیا کرے گا؟ اسی طرح شاید ایشیائے کوچک و یورپ میں ترکوں کو تھوڑی سی زمین اور واپس دی جائے گی۔ مگر عراق و شام و فلسطین کے متعلق ایک لفظ بھی سننے میں نہیں آتا، کہ جزیرۃ العرب کے یہ اہم حصّے کب اغیار کے قبضہ سے چھوٹیں گے؟

ولایت میں ہر شخص یہ کہتا تھا کہ مسلمانانِ ہند کا بڑا لحاظ کیا گیا کہ قسطنطنیہ ترکوں کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا۔ حالانکہ قسطنطنیہ پر ترکوں کا جو کچھ اقتدار ہے وہ اِس سے عیاں ہے، کہ وفدِ خلافت نے پیرس سے ڈیڑھ سو پونڈ خرچ کر کے، جو تار اعلیٰ حضرت خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس کو فرانس کی گورنمنٹ نے پیرس سے تو روانہ کر دیا مگر قسطنطنیہ پہنچنے پر وہ روک لیا گیا اور خلیفۃ المسلمین کو ایک ماہ بعد اپنے ایک اڈیکانگ کے ذریعہ سے اس کا مضمون معلوم ہوا۔ اِس اڈیکانگ کے بھائی تار بھیجنے کے وقت پیرس میں موجود تھے۔ اور ان کو اس تار کی ایک مطبوعہ کاپی بھیجدی گئی تھی، جو انھوں نے بعد میں اپنے بھائی اڈیکانگ سلطان المعظم کو لیجا کر دکھائی، اور ان کی وساطت سے وہ پیش گاہِ سلطانی میں پہنچی۔

بہر حال اسی قسطنطنیہ کی نسبت فرانس میں ہر شخص نے احسان جتایا کہ مسلمانوں کے جذبات پر نظر کر کے فرانسیسی نمایندگان نے اس کے ترکوں کے پاس رکھے جانے پر زور دیا۔ اور اسی طرح اٹلی والوں نے کہا، کہ ان کی کوشش سے قسطنطنیہ ترکوں کے پاس باقی رہا۔

پھر ایک رسالہ دکھا کر مولانا محمد علی نے فرمایا کہ یہ عہد نامۂ سیورے کا پورا مضمون ہے شاید اس کی یہ ایک ہی کاپی ہندوستان میں غیر سرکاری طور پر آئی ہے۔ اس کی مالی دفعات کو دیکھئے۔ ہندوستان میں کسی چھوٹی سے چھوٹی ریاست

کو بھی اپنے مالیہ پر اتنی بے اختیاری نہ ہو گی۔ جیسی اِس عہد نامہ نے ترکوں کے لیے تجویز کی ہے۔ جہاں پہلے ٹرکی میں سات لاکھ فوج رہتی تھی، وہاں اب صرف ۱۵ ہزار باقاعدہ اور ۳۵ ہزار امدادی فوج کی اجازت دی گئی ہے اور اس کے افسر و تربیت دہندہ بھی سب باہر کے لوگ ہوں گے ٹرکی کی بحری قوت کو بالکل ہی معدوم کر دیا گیا ہے صرف چند چھوٹے چھوٹے جہاز اور کشتیوں کی اجازت دی گئی ہے اور ہوائی جہاز تو ٹرکی تجارتی اغراض کے لیے بھی نہیں بنا سکتا۔ اس پر طرّہ یہ ہے کہ اتحادیوں بلکہ یونان کے ہوائی جہاز بھی ٹرکی میں جہاں چاہیں گشت لگائیں۔ اور ٹرکی پر یہ پابندی ہے کہ وہ ان کے لیے پٹرول و رسد مہیا کرے۔ ایسے حالات میں یہ ذرا بھی تعجب انگیز نہیں کہ مصطفےٰ کمال پاشا اور ان کے رُفقاء کہتے ہیں کہ ہم اس عہد نامہ کو مطلق تسلیم نہیں کر سکتے اُس پر غدّاروں اور عیّاروں نے دستخط کر دیئے ہیں۔

اس کے بعد مولانا محمد علی نے پھر جزیرۃ العرب کے مسئلہ کی اہمیت پر خیال رجوع کیا۔ اور تھرِیس و سمرنا کی واپسی کے بدلے سرچشمۂ اسلام کی مداخلت اغیار سے کامل آزادی کو مقدم ٹھہرایا اور ترکوں کی ان خدمات کو یاد دلایا جو انھوں نے اسلام کی مقدّس سرزمینوں کو اغیار کی مداخلت سے محفوظ رکھنے میں سرانجام دی ہیں انھوں نے "الائمۃ من القریش" کا دعوےٰ کرنے والوں کی بھی تردید کی اور سرسید مغفور کی عظیم الشان قومی خدمات کا اعتراف کرنے کے ساتھ یہ جتایا کہ مسلمانانِ ہند نے کبھی ان کی بحیثیت ایک مذہبی حاکم کے نہیں مانا۔ انھوں نے مسٹر مانٹیگو کے اس مقولہ کا بھی اعادہ کیا کہ تمام (انگلستان) تمہارے (مسلمانوں کے) مذہبی امور میں دخل نہیں دینا چاہتا اور اس کی عملی تصدیق چاہی۔

اس کے بعد انھوں نے فرمایا۔ کہ "ہمارا مطالبہ ہے کہ مسئلہ خلافت کا فیصلہ شریعت کے موافق کیا جائے" لیکن اس کے بعد بھی ہمارا وطنی فرض باقی رہے گا۔ ہم اپنے ہندو بھائیوں کو چھوڑ نہیں سکتے۔ انھوں نے تمام ہندو بھائیوں کو جو اس وقت کانفرنس میں موجود ہیں، مخاطب کر کے کہا کہ "اگر خلافت کا فیصلہ شریعت کے موافق ہو گیا تو سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا بھر کے مسائل طے ہو گئے "اگر جزیرۃ العرب کو چھوڑ دیا گیا، تو پھر برطانوی گورنمنٹ کسی معاملہ میں بھی آپ پر زور نہ ڈالے گی" انھوں نے اودھ والوں کو مخاطب کر کے کہا کہ مسئلۂ خلافت کی اعانت کے لئے صوبۂ ہذا سے زیادہ چندہ نہ مل سکنے کا عذر اور اس کے متعلق افلاس کا حیلہ سراسر ناجائز ہے۔ کیونکہ اب بھی لکھنؤ میں پانچ پانچ روپے بیچ لڑتا ہے، اس کے لئے روپیہ کہاں سے آتا ہے تعجب ہے کہ اسلامی دنیا پر مصائب نازل ہوں، اور لکھنؤ میں مسلمان اپنے روپے کو ان فضولیات میں اُڑائیں۔

تعلقہ داران و رؤسا کے خفیہ طور پر خلافت کے معاملہ میں صحیح مشورے دینے کو بھی مولانا محمد علی نے کافی نہ سمجھا۔ تاوقتیکہ وہ امدادِ خلافت میں وہ اپنا فرض نہ ادا کریں۔

سوَراج اور خلافت

ہمیں سوراج کیوں ضروری ہے، اور اس کا خلافت سے کیا تعلق ہے؟ برادرانِ من! آئندہ ایسی مشکلات پیش نہ آنے کی ضمانت کے لئے سوراجیہ ضروری ہے، اگر ہم کو اپنی فوج پر اختیار نہ ہوگا تو کیا ضمانت ہے کہ وہی بدعتیں جو آج ہماری فوج کی وجہ سے کی گئیں، پھر نہ دُہرائی جائیں گی۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمان بذریعۂ شمشیر سب ہندوؤں کو مسلمان بنالیں گے۔ لیکن ہمارے مذہب میں اس کی اجازت نہیں۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ایمان لانے کے لئے اکراہ و جبر کیا جائے۔ تو پھر وہ اسلام کہاں رہا؟

کہا جاتا ہے کہ ہم دیوانے ہیں، ہم میں سیاسی تدبر نہیں ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ ؎

کثرتِ شوق میں ہم دیکھتے ہیں کثرتِ حُسن
خود نظر آتی ہے لیلیٰ مجھے دیوانہ ہیں

ترکِ موالات کے مختلف مدارج کو عوام کے ذہن نشیں کیا اور بہت دیر تک امن و آشتی اور شانتی کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے ننکانہ صاحب کے سکوں کی مثال دی اور کہا کہ ہمارے لئے باعثِ شرم ہوگا۔ اور یہ نامردی ہوگی کہ ہم تین کروڑ مخلوقِ خدا ایک لاکھ آدمیوں سے آزاد ہونے کے لئے تلوار کا خیال بھی دل میں لاویں۔ جس دن تم نے یہ فیصلہ کرلیا کہ تم غلام رہنا نہیں چاہتے، سمجھ لو کہ تم اس دن آزاد ہو گئے۔

چرخہ

آج چرخہ کے نام سے لوگ چونکتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ لیکن جو آخر میں ہنستا ہے اس کا ہنسنا ٹھیک ہوتا ہے۔ آج انچسٹر اور لورپول ہم پر ہنس رہے ہیں جب ہندوستانیوں کے سوت کاتے جانے کی خبر انگلستان پہنچے گی، تو وہ سمجھ لیں گے کہ یہ لوگ آزادی حاصل کرنے پر تُل گئے ہیں۔ اور اس کے لئے یہ جنون بن گئے ہیں۔ چرخہ ہماری مشین گن ہے ہماری گولی کی مار سات ہزار میل ہوگی۔ لوہے کی مشین گن انگریزوں کو مبارک۔ آخر میں مظلومین سمرنا کے لئے چندے کی اپیل کی اور دُعا پر تقریر کو ختم کیا ✣

برطانیہ، ترک اور مسلمان

حسیاتِ اسلامیہ کی مکمل تصویر

تقریر، لکھنؤ، ستمبر ۱۹۲۱ء

ہمیں گذشتہ تجربے سے اندیشہ ہوتا ہے کہ انگلستان کا پٹھو یونان اناطولیہ میں ترکوں کے ہاتھوں خوب پٹ چکا ہے۔ اب وہ تنہا ترکوں سے بازی نہیں لے جا سکتا۔ اس لئے انگلستان ترکوں سے لڑنے کے لئے اپنے برسرِحق ہونے کے بہانے تلاش کر رہا ہے افسوس یہ ہے کہ ایسے وقت میں مسٹر حسن امام دخل در معقولات دینے آئے ہیں۔ اپریل میں جب وہ بمبئی اُترے اس وقت تو آپ معاملہ کو ہنوز زیرِ تجویز کہہ کر خاموش ہو گئے اور چونکہ وہ گورنمنٹ کے دنہ کہ پبلک کے) نمائندے تھے۔ عوام کو بھی ان پر کوئی حق نہ تھا۔ مگر آپ بول اُٹھے تو ضرور گفتگو ختم ہو گئی معلوم ہوتی ہے۔ نامہ نگار ایسوسی ایٹیڈ پریس سے ان کی تقریر اور طائرانِ طوفان نما، یعنی انگریزی اخباروں کی تحریر ترک و برطانیہ میں کسی شدنی جنگ کی خبر دے رہے ہیں۔ یہ تجربہ ہے کہ ترکی خبروں کی بندش خوش خبری کی علامت ہے اور ترکی و یونانی جنگ میں یہی خاموشی یہی معنی رکھتی ہے۔ کہ یونانی حملہ ختم ہو چکا اور اب ترکوں کی باری ہے۔ یہی بات کہ یونان کا مددگار برطانیہ بے قرار ہے۔

ایک باغی اور انگریز

اول ترک، احرار اور ان کے بہادر جنرل غازی مصطفٰے کمال کو باغی کا لقب دیا گیا اور یہ انگریزوں کا معمول ہے کہ وہ باغیوں کو منہ نہیں لگایا کرتے۔ ہاں ترکی کی اُس حکومت سے جو ان کے ہاتھوں میں کھلونا تھی۔ جس کا سردار باسفورس کا قیدی خلیفۃ المسلمین تھا۔ اس سے وزارتِ برطانیہ کے چند ناخدا ترس اصحاب نے ان غیر منصفانہ شرائط پر ۱۰ اگست کو بمقام سیورے دستخط کرائے جو ڈاؤننگ اسٹریٹ میں مرتب ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد ہندی وفد سے بھی یہی چاہا جاتا تھا۔ مگر ۱۰ جولائی کو بمقام اسپاہم نے (وفد خلافت نے) مسٹر لائڈ جارج اور دیگر نمائندگانِ اتحاد کو یہی جواب دیا کہ بموجب حدیث شریف مخلوق کے حکم کی تعمیل خالق کے حکم کے سامنے جائز نہیں۔ یہی قول ہمارے محضر نامہ کے خاتمہ پر تھا۔ اور ترکوں کا جواب تھا جو وزیر اعظم نے ہندوستانی مسلم وفد سے کہا کہ وہ بہ نسبت باتیں بنانے کے لڑنا خوب جانتے ہیں۔ اگرچہ ترکی کی جنگی تاریخ شاندار ہے۔ جس طرح وہ جان توڑ کر باوجود بے سروسامانی کے لڑے۔ میرے نزدیک ایسے کبھی نہ لڑے ہوں گے۔

ایک سال ہوا میں نے اپنے ایک طویل مضمون میں کرانیکل میں پیشین گوئی کی تھی، کہ چند ہفتہ میں یونانی عساکر حصار و اقیوم قرہ حصار میں ترکوں کو نہ روک سکے تو وہ تھک کر بیٹھ رہیں گے اور اپنے اُبھارنے والوں کی خبر لیں گے۔ جنہوں نے انہیں سبز باغ دکھایا تھا۔ میں نے اسی وقت کہا تھا۔ کہ وینیزیلوس کے پاؤں اس کے اپنے وطن میں مضبوط نہیں ہیں۔ اور وہ اپنا کام صرف برطانیہ کی مدد سے اپنے سیاسی مخالفین کو

جیل خانوں میں بند کر کے کر رہا ہے۔ اس نے سب کچھ ترکی فہم پر لگا رکھا تھا۔ اُس نے لوگوں کے دلوں میں توقع پیدا کر دی تھی۔ کہ برطانیہ کی امداد سے یونانی سلطنت کو از سرِ نو قائم کرے گا۔ یونانیوں کو فتح حاصل نہ ہو تو یہ بُلبلا پھٹ جائے گا۔ اور سب سے پہلے وینزیلوس تباہ ہو گا۔ میری پیشین گوئی میری توقعات سے پہلے پوری ہوئی ہے۔

برطانیہ و ترکی

اب وینزیلوس بالکل لاپتہ ہے اور خیال تھا کہ شاہ قسطنطین (جسے اتحادی انجمن قابلِ نفرین ٹینو لکھا کرتے تھے) کی مراجعت کے باعث ترکی معاہدہ میں کماحقہٗ تغیر و تبدل شروع ہو جائے گا۔ یہ امر واقعہ کماحقہٗ صحیح ثابت ہوا ہے کہ ترکی معاہدہ ضرور تبدل ہوتا۔ اگر اتحادیوں میں صرف فرانس و اطالیہ شامل ہوتے۔ مگر انگریزوں نے ایسا نہ ہونے دیا۔

ہندوستانی مسلمانوں کی برطانیہ سے وفاداری ضرب المثل ہے۔ مگر ہندی مسلمانوں کو جنگِ طرابلس کے وقت سے تلخ تجربہ نے بتا دیا ہے کہ انگلستان اب ترکوں کا بدترین دشمن ہے اور روز بروز یہ بات صاف ہوتی جاتی ہے کہ شاید زار روس کے بعد اب انگلستان ترکی کا دشمن ہے۔ جس کو منا لینا ممکن نہیں۔ لہٰذا لکھنؤ خلافت کانفرنس میں مَیں نے اپنے خطبۂ صدارت میں آواز بلند کی تھی۔ اور یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ انھیں لندن کانفرنس میں مدعو کیا گیا ہے۔ مگر غالباً پس پردہ گفتگو ہو رہی ہے کہ دباؤ ڈال کر قابلِ حقارت ٹینو کو وینزیلوس کی راہ پر مجبور کیا جائے کہ ترکوں کی موروثی سلطنت پُرانی سلطنت کا حصہ ہے۔

لندن کانفرنس نہ صرف اسلامیانِ ہند کے لئے ایک دھوکا تھا۔ کہ ہندوستان کے نمائندوں کے پہنچنے سے پہلے یہ دعوت ختم بھی ہو چکی تھی۔ بلکہ یہ ترک احرار کے لئے بھی ایک ظالمانہ دامِ فریب تھا۔ چند سریع الاختتام ناقابلِ اطمینان تجاویز پیش کر کے بسرعت تمام واپس لی گئیں۔ اتحادیوں نے تحریک کی کہ تھریس کی آبادی کے اعداد و شمار کی تحقیقات کی جائے۔ ترکوں نے اس کو فوراً منظور کر لیا۔ مگر یہ تجویز واپس لے لی گئی کہ یونانی اس پر راضی نہ تھے۔ ہم نے یہی تجویز اپنے محضر نامہ میں پیش کی تھی، کہ جس جماعت کی وساطت سے یہ کام کیا جائے۔ اس میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کے نمائندے ضرور شامل ہوں۔

انگریزوں کا طرزِ عمل

برطانیہ کا اصولِ کار یہ تھا۔ کہ دنیا سے کہا جائے کہ انگریزوں نے جنگ کو فتح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ ترکوں اور یونانیوں کو، ترکوں کی حکومت قسطنطنیہ و سلطنتِ انگورا کو بہم کر دیا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ ترکوں نے اپنے اختلافات کو رفع کر دیا ہے۔ مگر ترکوں اور یونانیوں کے اختلافات نہیں مٹے۔ اتحادی سوائے اس کے کیا کر سکتے ہیں۔ کہ ان احمقوں کو آپس میں لڑنے دیں۔ اتحادیوں کی پالیسی جنگ کو طول دے کر امن حاصل کیا جانے پر مبنی تھی۔ اس جنگ میں ترکوں کو شکست ہو گی۔ ترک احرار یا باغیوں کی حکومت کو اگر تسلیم کیا گیا، تو عارضی طور پر۔ مگر مصطفےٰ کمال نے ایک دفعہ پھر انسانوں اور چوہوں کی بہترین تدابیر کو خراب کر دیا ہے۔

نمائندگانِ ہند نے وزیرِ اعظم سے ملاقات کرنے کے وقت مسٹر حسن امام کو اپنا سردار بنایا۔ اِن نمائندوں نے ہی برطانیہ کی غیر جانبداری کا پردہ ظاہر کیا ہے

اور کہا کہ وہ مدت سے برطانیہ کے انکار کر اعتبار کرنے کی عادت ترک کر چکے ہیں۔ کہ کسی کو یقین نہیں کہ ترکی یونانی جنگ کے ظالمانہ کھیل میں انگریز بے لگاؤ تماشبیں تھے۔

مصطفےٰ اصغیر

برطانی جاسوس اناطولیہ میں سرگرم کار تھے، اور مصطفےٰ صغیر کا تعلق اس کا بدیہی ثبوت ہے۔ میرا یہ ہم وطن مجھ سے بالکل ناآشنا نہیں۔ اور غالباً یہی ہے جس نے جنیوا میں لندن میں مجھے خط لکھا تھا، کہ کسی ہندوستانی مسلم اخبار میں مجھے اُسے بطور نامہ نگار قسطنطنیہ ملازمت دلوا دوں۔ پھر اُس نے میرے نام ایک کھلا خط لکھا جس میں ہلالِ احمر کا نشان تھا۔ اور جس میں قسطنطنیہ کے لئے مالی امداد طلب کی گئی تھی۔

اس وقت ہم وزیر ہند سے سمرنا کی امداد کے لئے مدد طلب کر رہے تھے۔ بحمداللہ کہ میں نے اُسے قسطنطنیہ میں ہندی مسلمانوں کے وقار کو فروخت کرنے کا موقعہ نہ دیا۔ اور یہ انگورا میں ایسا کرتا ہوا کیفر کردار کو پہنچا۔

غلط بیانیاں

صرف انگورا میں اپنی حالت بہتر بنانے میں انگریز کوشاں نہ تھے۔ ہندوستان میں بھی یہ کارروائی جاری تھی۔ اشتہارات تقسیم کئے جا رہے تھے کہ باقرسیح بے معمولی ترمیم کو کافی سمجھتے تھے۔ جو انگریزوں نے ترکی معاہدہ کے لئے پیش کیں اور ہندوستانی مسلمان ترکوں کی نسبت کہیں زیادہ ترکوں کے حامی ہیں یہ ہے وہ حکومت جو بقول مسٹر حسن امام خلافت کے مسئلہ میں مسلمانوں کی حتی المقدور مدد

کرتی رہی ہے۔ یقیناً ایسی قوم کی حالت قابلِ رحم ہے، جس کے بہترین آدمی ایسے ناقابلِ بیان بڑے ہوں۔ اور جس کے بدترین آدمیوں کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا ہے لیکن شکر ہے کہ ہندوستان یا اناطولیہ دونوں میں انگریزوں کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔

ہندوستانی مسلمان

ہندوستانی مسلمان روز افزوں اضطراب کے ساتھ منتظر ہیں کہ نئے وائسرائے نے مہاتما گاندھی سے مل کر مہاتما جی کے متعلق جو علم حاصل کیا ہے، اس کا کچھ نتیجہ نکلے جو اس لاف، فتح و نصرت سے جو وائسرائے نے میرے بھائی کے بیان کے خلاف نکال کر کی ہے۔

اناطولیہ کے ترک تو اب انتظار کر رہے ہوں گے کہ انگریز امبائراب فاتح ترکوں کو اُن کا حق دلا دے گا۔ مگر لائڈ جارج اور مسٹر ایسکوتھ ایک بات میں یکساں ہیں، اور وہ بات یہ ہے کہ یہ دونوں فاتحین کو اس صورت میں ثمرۂ فتح سے محروم کرنے کے عادی ہیں جب کہ فاتح ترک ہوں۔ ان کے ساتھی جیتیں تو جیتے اور ہاریں تو ہارے ہندی مسلمانوں کی جب پہلی ملاقات ہوئی تو آغا خان نے تجویز کیا تھا، کہ اگر دولِ عظمے مسلمانانِ ہند کو اجازت دیں تو ہم اس قدر فوجیں بھرتی کر لیں گے جو یونانیوں کو غصب کردہ علاقوں سے نکال دیں گی۔ وزیر اعظم نے جو اس وقت غیر جانب داری کی تصویر بنے ہوئے تھے کہا: مشکل تو یہ ہے کہ یہ جنگ پھر مسلمانوں اور عیسائیوں کی جنگ ہو جائے گی" اور اس طرح دنیا کا امن تباہ ہو جائے گا۔

جب آغا خان نے یہ سوال کیا کہ "آپ ہندی مسلمانوں کو جنگ میں دخل دینے

دیں گے یا نہیں؟" تو وزیر اعظم نے کہا کہ یہ پہلی غلطی ہو گی۔

اگرچہ دفعہ ۱۴۴ کی عنایت سے ہندی مسلمانوں کو بولنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ مگر تاہم ترک لڑے اور خوب لڑے۔ مسلمانوں نے ترکوں کو مدد نہیں دی مسٹر لائڈ جارج کی طرح کے عیسائی اب یونانیوں کی مدد پر تلے ہوئے ہیں، اور بھول گئے ہیں کہ یہ بات امنِ عالم کے لئے کیسی خطرناک ہو گی؟

اِس کا نتیجہ

ہم ان باتوں کا صرف ایک نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ یہ کہ لارڈ ریڈنگ کے وائسرائے بننے کا یہ پہلا اثر ہے۔ اس سے تو لارڈ چمسفورڈ ہی شملہ سے ہم پر حکمرانی کرتے ہوئے تو خوب تھا۔ مسٹر حسن امام کو زیادہ معترضہ ہوتی۔ مسٹر حسن امام نے لارڈ چمسفورڈ اور اُن کے شرکائے حکومت کی تعریف کی ہے۔ ان محسنوں کی فہرست میں مسٹر ونسنٹ۔ مسٹر انگو لارڈ ریڈنگ بھی ہیں۔ اور آخر میں وزیر اعظم کو خراجِ تحسین پیش کر دیا ہے۔ میں خود ہر بات کا اچھا نتیجہ نکالنے کا عادی ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہم سال رواں کے اختتام سے پہلے اپنے تمام مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوں گے۔ اور یہ وہ بات ہے جس کا مسٹر حسن امام ہم سے وعدہ نہیں کر سکتے۔ اگرچہ مسٹر حسن امام بھی روشن پہلو پر نظر رکھتے ہیں مگر کافی طور پر نہیں۔ ان کی ملاقات سے ان لوگوں کو کچھ تسکین نہیں ہوتی جن کے دل کامیابی پر لگے ہوئے ہیں۔ اُن کی نگاہ میں ایک ایسی دنیا بھی ہے جو حقیر ہستیوں سے آباد ہے اور جن میں امن و قناعت کا دَور دَورہ ہے۔ اور ایسی دنیا میں وہ لوگ بھی رہیں، جو اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں، مگر انھیں اپنی حالت پر اطمینان

ہے اور اپنی ناکامی کا ذمہ دار وزیروں، وائسرایوں اور ہوم ممبروں کی غلطیوں کو نہیں سمجھتے ہیں۔

مسٹر حسن امام کی وکالت

مسٹر حسن امام نے پہلے کبھی تحریکِ خلافت میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ یک بیک گورنمنٹ نے ان کو ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے منتخب کرلیا۔ اِس انتخاب پر بہت سے لوگ چپ چپیں بھی ہوئے۔ مگر خلافت کے ذمہ دار اراکین نے ضبط سے کام لیا۔ بلکہ بعض نے تو انھیں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

مسٹر حسن امام وکالت کرنا خوب جانتے ہیں۔ اُنھیں اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ وزیر اعظم سے پہلی ملاقات میں مسلمانوں کی اچھی نمائندگی کی۔ اُن کی جو تقریریں ہوئیں وہ اُمیدوں کو پورا کرتی تھیں۔ ان لوگوں کو مایوسی بھی ہوئی جنھیں امید تھی کہ وزیر اعظم ضرور ایسی تقریروں پر اظہارِ نفرت کریں گے کہ مسٹر حسن امام کے ساتھ یہ کہنا بے انصافی نہ ہوگی کہ، اُن کی آخری ملاقات سے ان لوگوں تک کو بڑی مایوسی ہوئی جو برخلاف میرے مسٹر حسن امام سے بہت کم امیدیں رکھتے تھے۔ جو ملاقات انھوں نے اول مسٹر لائڈ جارج سے کی تھی۔ اُس میں تمام وہ دلیلیں اور نتائج پیش کر دیئے تھے، جو ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں موجود تھے۔ مگر ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے سے جو ملاقات ان کی ہوئی اُس میں انھوں نے تمام وہ دلیلیں و نتائج پیش کر دیئے (مسلمانانِ ہند کے لئے) جن سے مسٹر لائڈ جارج نے دوسری ملاقات میں انھیں اور ان کے ساتھیوں کو دھوکہ دینا چاہا تھا۔

مسٹر حسن امام کی طفل تسلّی

مسٹر امام بھی ایسی ہی طفل تسلیوں سے تسکین دینا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں تھریس تو اب یونانیوں کے قبضہ میں ہے۔ جب تک وہ نکالے نہ جائیں، نکلیں گے نہیں، برطانیہ کوئی دوسری جنگ نہیں کرے گا۔ فرانس کو اپنی ہی مصیبتیں بہت ہیں۔ اگر فریب و دھوکہ کی باتوں کو دلائل سمجھنا جائز نہیں ہے۔ تو پھر کیا یہ غلط ہے کہ یہ جو کچھ کہا گیا وہ ڈاؤننگ اسٹریٹ کی آواز کی صدائے بازگشت تھی۔ یا دوسرے الفاظ میں وہی کہہ دیا گیا ہے جو مسٹر لائڈ جارج نے کمزور قوموں کی حفاظت کی آڑ میں کہا تھا کہ کچھ ہمارا اپنا کام تو ہے نہیں" اور یہ کہا تھا کہ "ایران کی قیمت تو ہمارے لئے ایک سپاہی کی ہڈیوں کی برابر بھی نہیں ہے" مگر موسم پہچاننے کی جتنی نشانیاں ہیں۔ وہ سب اس امر پر دلالت کرتی ہیں، کہ ویسے تو مسٹر لائڈ جارج کو اناطولیہ میں ٹانگ اڑانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر جب یونانی شکست خوردہ ہو گئے، تو اب مسٹر لائڈ جارج کو مداخلت کی ضرورت پڑ گئی۔ کیا مسٹر حسن امام نے یہ ثابت کر دیا تھا۔ کہ وہاں کی آبادی کے لحاظ سے انصافاً تھریس ترکوں کا ہونا چاہیئے۔ تب بھی اگر قسطنطنیہ کو ایک اسلامی مرکز اور خلافت گاہ رکھنا ہے تو تھریس مسلمانوں کے پاس ہونا لازمی ہے۔ اگر تھریس یونانیوں کے زیر اقتدار ہو گیا تو کیا جب بھی مسٹر امام ڈاؤننگ اسٹریٹ اور شملہ کا کلمہ پڑھتے رہیں گے۔ رہا سمرنا کا معاملہ جس کو مسٹر امام نے ایک جملہ میں ختم کر دیا کہ "سمرنا کا معاملہ بھی بالکل تھریس کا سا ہے۔ مسٹر لائڈ جارج بھی اسی طرح کہہ کر نہیں ٹال سکتے تھے۔ ٹائمس نے کھو مارا تھا کہ کیا واقعی مسلمانانِ ہند یہ چاہتے ہیں۔ کہ برطانوی سنگینوں کے ذریعے سے عرب

فوج پر پھر ترکی جُوار کھوا دینا چاہتے ہیں۔ مگر ہم تو برطانوی سنگینوں کو چاہتے ہیں کہ سمندر میں ڈبو دی جائیں۔ یا اگر کوئی خشک مقام درکار ہے تو وہ خود جزائرِ برطانیہ ہیں۔ جزیرۃ العرب کے متعلق تو ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اتحادی اور سب سے پہلے برطانیہ اس سرزمین کو فوراً خالی کردے۔ اور مسلمانوں کو اپنے گھر کے انتظام کا فیصلہ خود کر لینے دے۔

سمرنا و تھریس

تھریس و سمرنا کے معاملہ میں ان کی ذمہ داری جزیرۃ العرب سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اگرچہ عرب برطانیہ سے مجبور ہو کر جنگ میں بھی اتحادیوں کے شریک ہوئے۔ اور ترکوں سے اپنے وطن کی خاطر آمادۂ کارزار ہو گئے۔ مگر یونانی تو جنگ میں بھی اتحادیوں کے شریک نہیں رہے اور نہ یہ یونانی ممالک تھے۔ جو ترکوں سے آزاد کر دیئے جائیں۔ یہ اتحادی ہی تھے۔ جنھوں نے یونانی فوجوں کو ترکوں کے سمرنا میں داخل کرایا۔ مگر اس میں خاص بات یہ ہے کہ ساری ذمہ داری برطانیہ پر ہے۔ اگر جارجیہ کی بیدغلی کے ظالمانہ اصول پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ تو ان میں بڑی طاقتوں اور چار بڑی طاقتوں کی سنگ دلی سے آدمی کانپ اُٹھے گا۔ مسلمانوں کے مرد، عورت اور بچے یونانیوں کے مظالم اور خواہشاتِ نفسانیت کے شکار بنائے گئے۔ باوجودیکہ ان کے گھروں پر غیر ملکیوں کا کوئی حق نہ تھا چونکہ یونان ان کا ایجنٹ تھا۔ جو کچھ انھوں نے حکم دیا۔ اُس پر اُس نے عمل کیا۔ لہٰذا اب اگر وہ انصافاً یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا قبضہ غلط ہے تو ان کا فرض ہے کہ اُس کو سمرنا سے علیحدہ کردیں مسٹر حسن امام اس عدالت کے متعلق کیا خیالات قائم کریں گے۔ جو نظرثانی میں فیصلہ اپنے کے خلاف فیصلہ دے۔ پہلے فیصلہ میں کسی کو ناجائز قبضہ دلائے۔ مگر باوجودیکہ نظرثانی میں

اِس قبضہ کی غلطی کا احساس ہو جائے۔ پھر بھی وہ اِس قبضہ کرنے والے کو نکالنے میں مدد دینے سے انکار کرتے ۔

اتّحادیوں کا فرض

بہرحال برطانوی اور اتحادی کونسلیں اگر اصلی مالک سے کہہ دیں کہ تم اپنے ملک پر اگر ہو سکے تو قبضہ کر سکتے ہو تو بس کافی ہے۔ اور اس کے ساتھ یونان کو امداد دینا بند کر دیں۔ یہ واقعہ ہے کہ باوجودیکہ برطانیہ کی موجودہ رنگ کی غیر جانب داری کے ترکوں کے مقابلہ میں یونانیوں کی ایک نہ چلی۔ اور اگر آئندہ بھی برطانیہ کے ہندوستانی جاسوس برطانیہ کو ایک اور مہلک جنگ میں پھانسنے کی ریشہ دوانیوں سے باز نہ رہے تو وہ وقت کچھ دور نہیں۔ کہ آخری یونانی سپاہی خلیج سمرنا میں غرق ہو جائے گا۔ اور جب ترکانِ احرار قسطنطنیہ میں سلطنت کرنے پہونچ گئے۔ تو یہی نتیجہ چند ہفتے میں تھریس کا بھی ہونے والا ہے۔ اِس کے علاوہ البانی بھی صرف وقت کے منتظر ہیں۔ اور اپنی ادیس کی طرف یونانیوں پر ٹوٹ پڑنے والے ہیں۔

برطانوی پالیسی

جن لوگوں سے مسٹر حسن امام نے ولایت جاتے وقت گفتگو کی تھی۔ ان سب نے یہ رائے دی تھی کہ خواہ برطانیہ ترکوں کی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کرتی ہو۔ خواہ وہ یونانی کو کسی ہی امداد کیوں نہ دیتی ہو۔ مگر اصلی مقصد برٹش پالیسی کا عراقِ عرب اور فلسطین پر قبضہ حاصل کرنا ہے۔ اگرچہ انگلستان دوسری طاقتوں کو ادھر اُدھر کے حصّے

لئے وہاں پر تھوڑے سے عرصہ میں ہی وہ قتل و خون ریزی کا بازار گرم ہوا۔ جو ترکوں کے عہد میں کبھی نہ ہوا تھا۔ اور اس سے بریت کے لئے مسٹر لائڈ جارج اب ان کے عادات کا راگ الاپ رہے ہیں ؎

حسن امام لائیڈ جارج کی زبان

مسٹر لائیڈ جارج موجودہ عرب سلطنت کو ایسے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں جن پر درحقیقت انگریزوں کی نگرانی ہوگی۔ اور اگر چند قبائل کسی عرب سردار کو اپنا بادشاہ منتخب بھی کرلے تو ضروری ہوگا کہ برطانیہ بھی اس شخص کی سفارش کرے۔ اور برطانی حمایت حاصل ہوگی ہی نہیں۔ جب تک کہ وہ انگریزوں کی حکمبرداری کو تسلیم نہ کرے جس طرح مسٹر حسن امام تھریس اور سمرنا کے متعلق مسٹر لائیڈ جارج کے خیالات کو پیش کررہے ہیں۔ اسی طرح وہ فلسطین اور عراق عرب کے متعلق بھی مسٹر لائیڈ جارج کے الفاظ کو ہی دہرا رہے ہیں۔ فلسطین مسلمانوں عیسائیوں اور یہودیوں کو یکساں عزیز ہے لیکن اگر کسی اور سبب کو نہ بھی لیا جائے۔ تو بھی فلسطین ایسے لوگوں کے طبقہ میں رہنا چاہیئے۔ جو تمام انبیاء کو مانتے ہیں ؎

مکتوب مفتوح

تصدق احمد خان شیروانی کے نام

نومبر سنہ ۱۹۲۱ء

تصدق احمد خاں شیروانی، علی برادران کے جان نثار دوستوں میں تھے، جامعہ ملیہ اسلامیہ پہلے پہل علی گڑھ ہی میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے وائس چانسلر یہی تھے۔

"مرتب"

میرے پیارے شروانی!

کیا یہ امر تعجب خیز نہیں ہے، کہ جن لوگوں کو ایک شیطانی گورنمنٹ نے بھی قید کرنا پسند نہ کیا، ان کو رحمت و پاکیزگی سلف گورنمنٹ اپنے وجود و قیام سے قبل ہی محبوس و مقید کرتے۔ کم از کم اس قدر تو ضرور صحیح ہے۔ کہ جب مجھ کو بمبئی میں اپنی مرضی کے خلاف بدرجہ مجبوری ٹھہرنا پڑا تو میں نے مطلوبہ آزادی کا اپنے متعلق بھی اندازہ لگایا۔ میں یہ سمجھی نہیں ان کہ اپنی اس عدم صحت (علالت صحت کا لفظ زیادہ موزوں ہوگا) کے زمانہ میں خواہ مخواہ اس ماہ رمضان علی گڑھ میں گزار کر اپنے آپ کو افطاری کے کبابوں کی طرح جلانا چاہتا

تھا۔ اور اسی لئے نہایت خوشی کے ساتھ مہاتما گاندھی کے ہمراہ بمبئی چلے جانے پر راضی ہو گیا۔ اُدھر میری اہلیہ نے بھی کاسۂ گدائی ہاتھ میں لیا اور سمرنا و خلافت فنڈ کا نام لے کر خوبصورتی کے کندھوں سے بہت سے بیکار روپیوں کا بار اتار کر اُن کو ہلکا کر دیا۔

لیکن عید الفطر کے بعد فوراً علی گڑھ پہنچ کر تمہارے ساتھ کام کرنے میں جو چیز حائل ہوئی، وہ یہ نہ تھی، کہ میں علی گڑھ کی تمازتِ شمسی سے خوفزدہ تھا۔ بلکہ بات یہ تھی کہ ایک انسان جس نے دنیا اور دنیا کی تمام لذات اور نفسانیت کو ترک کر دیا تھا۔ اس کو زر کی بڑی غرض لاحق ہو گئی تھی۔ ہزاروں آدمی ترکِ موالات کے مخالف، اخباروں میں مہاتما کی متضاد حرکتوں پر رائے زنی کر رہے ہیں۔ اور ان تحریروں کے معاوضہ میں کافی رقم پاتے ہیں۔ لیکن میں تم کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ میں ان سے بہتر نکتہ چینی کر سکتا تھا۔ اور میں اُس کے معاوضہ میں کوئی رقم بھی نہیں لیتا، بلکہ مفت ہی کر دیتا، اس نے (مہاتما نے) دنیا کو ترک کر دیا ہے۔ لیکن اب بھی دنیا اُس سے ایسی متعلق ہے کہ جدا ہی نہیں ہوتی۔ اس نے گوشت (مادیت) کو ترک کر دیا ہے۔ لیکن اب بھی چار من سے زیادہ گوشت [illegible] کے ہر گوشہ میں اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ کیونکہ علی برادران کے مجموعہ کی بزرگ ہستی (مولانا شوکت علی) اس کے ہمراہ اس اعتماد سے چلتی ہے کہ جو پہاڑوں کو ہلا سکتا ہے اُس نے شیطان کو ترک کر دیا ہے۔ لیکن تاہم ایک شیطانی سلطنت کے تعاقب میں وہ ایسا سرگرم ہے کہ نہ تھکتا ہے اور نہ ذرا رحم کھاتا ہے۔

یہ تھیں اس مہاتما کی وہ متضاد حرکتیں اور اُس دہنی ولا اُبالی انسان کے کیرکٹر کا تقاضا تھا، کہ اس نے مجھ کو بمبئی میں اس غرض سے روک لیا کہ اس شہر سے ایک ہی مہینہ کے اندر ہم لوگ نصف کروڑ روپیہ لوٹ لیں۔ باوجود اس کے کہ اس کا افلاس بہت ہی [illegible]

ہو چکا ہے۔ جب یہ کام ختم ہو چکا تو اس سنیاسی کو جو لباس کے معاملہ میں بہت کفایت شعاری کی تعلیم دیا کرتا ہے، یہ جنون سوار ہوا کہ کپڑوں کا ایک بڑا ہی وسیع مقام تجویز کر کے اس کو ٹوپی اور کوٹ، ساری اور شلوار سے پُر کر دیا جائے اور یہ کپڑے اِس قدر مختلف رنگوں سے رنگین ہوں، جیسے کہ جوزف کا کوٹ تھا۔ اور ان کپڑوں کی ساخت اِس قدر مختلف اور متعدد ہو کہ اس کا مقابلہ اس شخص کے نمونہ کے اشتہار سے ہو سکے جو ہر قسم کے عمدہ فیشن کے لائق لباس کی دوکان رکھتا ہو۔ یہی وجہ تھیں کہ تم مطمئن ہو کر خواجہ (مسٹر عبدالمجید) کی صحبت کا لطف اُٹھاتے رہے، اور تمکو اس وقت بھی میری مداخلت کا اندیشہ نہ ہوا۔ جب کہ تعلقداران اودھ و زمینداران آگرہ اخراج کی دھمکیاں دے رہے تھے۔

اس کے بعد بلا میری رہنمائی کے تم نے وہ قبیح جُرم کیا جس سے زیادہ ناجائز فعل کا ارتکاب اس زمانہ میں غیر ممکن تھا، جب کہ گورنمنٹ صلح، خاموشی اور عدم اشتداد کے لئے منت و سماجت کر رہی ہے۔ اور تم نے یہ غضب کیا کہ صلح دامن واقعی قائم رکھا۔

میرے پیارے تصدق! کیا تم شوکت سے سبق نہیں سیکھ سکتے تھے؟ شوکت تمام ایشیا میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہستی ہے۔ اور یہ محض اس لئے کہ، × ۵ فٹ کے رقبہ کے باوجود وہ عدم اشتداد کی پالیسی پر عمل کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ خراب بات یہ ہے کہ وہ واقعی ایک "صلح کُن" شخص ہیں۔ اور اِس قدر امن پسند کہ ایک مرتبہ انھوں نے ایک چڑیا کو کھانے کے لئے اور شکار کے لطف کے لئے مار ڈالا، تو اس کے لئے اَب تک برابر پچھتایا کرتے ہیں، اور اپنے اِس فعل پر افسوس کیا کرتے

ہیں۔ وہ کوئی شکاری نہیں ہیں۔ اور نہ انھوں نے اب تک شکار کو ختم کیا ہے۔ اس بات
کو بخوبی سمجھ کر کہ شوکت کی اِس صلح و اَمن کی پالیسی نے دفتری حکومت میں کس قدر نفرت
پیدا کر دی ہے، تم نے اس کے کرنے کی جرأت کیسے کی؟ تم خود، وہ نفرت ہو اور اس وقت
جب تم کو شیر نیتاں کی طرح گرجنا چاہئے تھا۔ تم فاختہ کی بولی بول رہے تھے۔ جب کہ علی گڑھ
کے خوش خلق کلکٹر کے لئے، جس نے تمکو اپنے پہلے ہی خط میں "آپ کا نیاز مند" تحریر کیا
تھا، جب کہ تم کو ان کا مخالف ہونا بھی گوارا نہ تھا۔ ایک چھوٹی سی خون ریز لڑائی کا انتظام
پلیٹ فارم اور لکچروں کے ذریعہ سے ہو رہا تھا۔ تم نے یہ منادی کرا دی کہ اِس
چھوٹے ڈرک شیتر کے بہادر سورما اپنی دلیری اور بہادری کا ثبوت اپنی کامل غیر حاضری
سے پیش کریں۔ اور اُس سے بھی زیادہ قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ تم خود "علی گڑھ" سے
جہاں اس جنگ کا انتظام ہو رہا تھا، دس میل کے فاصلہ کے اندر ہی اندر تھے۔ اور جب
تم لوٹ کر علی گڑھ آئے، تو تم نے ایک سچے غیرت شدہ آمیز تارکِ موالات کی طرح یہ
گستاخی کی، کہ شہر کے اِن باشندوں کو ملامت کیا، جو نا جائز خواہش و رغبت کے
اثر سے کچہری کے حدود میں محض تماشہ کی غرض سے چلے گئے تھے۔

خیال تو کرو کہ باوجود اِن تمام خطاؤں کے تم نے یہ جُرأت کی کہ عدالت میں کہا کہ
"میں مجرم نہیں ہوں" تم مجرم تھے اور ضرور مجرم تھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کیونکہ
کیا تم عین شرارت کے وقت گرفتار نہیں کئے گئے۔ میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ یہ
سچ ہے یا نہیں؟ (جیسا کہ تم خود اپنے وکالت کے زمانہ میں ان چھوٹے گواہوں سے دریافت
کرتے رہو گے، جو بیشتر عدالت میں جھوٹی گواہی نہ دینے کی وجہ سے جھوٹ کہنے کی کافی
جرأت رکھتے تھے) ہاں، ہاں میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم دو بار وہاں

کو مکار کرنے سے روک رہے تھے۔ اور دنیا کا سب سے زیادہ قبیح جرم کر رہے تھے یعنی بقائے امن کی کوشش میں مصروف تھے۔ اور اس سے اُن لوگوں کی مخالفت ہوتی تھی، جو فساد و خونریزی کا عزم کر چکے تھے۔ اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ، ایک سال قیدِ سخت کی سزا جو تم کو کمشنر، کلکٹر، پولیس اور مجسٹریٹ کی امداد سے پُرانے ساتھیوں اور دوستوں نے خوشی خوشی دی ہے۔ وہ ایسے جرم کے لئے جس کو کبھی کانوں نے بھی نہ سُنا ہوگا بہت زیادہ تھی۔

نہیں میرے پیارے تغلق! حقیقت یہ ہے کہ تم ایسے بدمعاش اور اخلاقی حیثیت سے اس قدر ذلیل تھے۔ کہ تم کسی صورت سے اب آزاد نہ رکھے جا سکتے تھے تم اور مجسٹریٹ جس کی لمبی ڈاڑھی کا تم نے اپنے اِس خط میں ذکر کیا ہے، جو تم نے اپنی گرفتاری، پیشی اور سزا کے وقت لکھا تھا، ملکر ایک ہو گئے تھے۔ اور یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ تم دونوں ایک ہی مقام پر رہتے۔ تم اس قدر امن پسند تھے کہ "امن سبھا" تمہارے وجود کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اور تم قانون کی پابندی میں اِس قدر مبالغہ کرتے تھے کہ قانون و انتظام کے قائم کرنے والے تمہارے دشمن ہو گئے تھے، اور اس کے بعد ذرا اپنی صورت پر بھی غور کرو! کیا تمہاری صورت سے ہمارے اِس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی، جو ہم لوگوں نے تمہارے متعلق کہا تھا۔ یعنی "ان ڈاکوؤں کے گروہ کا ایک فرد جو راجشاہی جیل سے بھاگ گئے تھے" ورنہ تمہارے اس قدو قامت۔ تمہاری اِس قلیل ڈاڑھی، جو نئی اُگی ہوئی گھاس معلوم ہوتی تھی۔ اور تمہارے اِس چھوٹے کھدر کے کُرتے سے جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ شاید کمبرج کے بدمعاشوں سے تم نے اُسے بدل لیا ہے اور کس قسم کے انسانوں کا پتہ چلتا تھا۔

تم کو معلوم ہے کہ میں کراچی سے سیدھا علی گڑھ آنا چاہتا تھا۔ لیکن اِس عاجز و تنگ، ایذا رساں انسان سے کوئی اِس امر کے متعلق بھی انکار نہیں کر سکتا۔ جس کو شملہ کے شاہنشاہ سے انکار کرنے کے لئے تیار ہو۔ مجھ کو بلا شرط ہتھیار ڈال دینا پڑا اور ایک پالو جانور کی طرح میں اس کے ساتھ بمبئی چلا گیا۔ چند وجوہ سے اس نے ہم کو وہاں تین ہفتے روک لیا (میں چپ کہنے جا رہا تھا) لیکن جب اُس نے ہم کو آزادی کا حکم سُنایا، تو اس کے ساتھ ہی اپنا اسباب بھی باندھا۔ اور ہم لوگ علی گڑھ پہنچے۔ جو تمہاری امن و سکون کی لڑائی کی جگہ پر اور ہم دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ، اِس صلہ میں کہ تم امن و سکون کی تنظیم کے لئے جیل خانہ بھیج دیئے گئے ہو، اس وقت تک "جامعہ ملیہ اسلامیہ" کو کوئی علی گڑھ سے جُدا نہیں کر سکتا۔ جب تک ہم لوگوں میں ذرا بھی طاقت باقی ہے۔ یعنی وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ جس کے اوپر تم نے اپنے ذاتی تمام حوصلوں اور دیگر اُمیدوں کو قربان کر دیا ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ یہ خط تم کو نہیں ملے گا۔ کیونکہ الٰہ آباد آنے کے بعد یہ دوسرا خط میں نے لکھا ہے جو پوسٹ نہ کیا جائے گا۔ اور نہ میں گورنمنٹ سے اجازت طلب کروں گا، کہ تمہارے چہرے کو دیکھوں۔ اور خود کو تمہاری گود میں ڈال دوں۔ لیکن میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس عزم و ارادہ کو تحریر کر دوں۔ کہ قومی یونیورسٹی اسی مقام پر رہیگی جہاں قوم نے اس کو قائم کر دیا ہے۔ یعنی تمہارے آبا ؤ اجداد کی اِس سرزمین میں جہاں سر سیّد احمد نے ان بزرگوں کی فیاضی سے راغب ہو کر وہ مدرستہ العلوم قائم کیا تھا جس سے یہ اُمید تھی کہ اس سے بہترین مسلمان پیدا ہوں گے۔ سر سیّد مرحوم کے نام نہاد جانشینانِ علی گڑھ کو بزدلوں اور غلاموں کا مرکز بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن جس طرح اپنے آبا و اجداد کی روایات پر قائم ہو، اسی طرح وہ لوگ جن کو تم قومی یونیورسٹی

میں چھوڑ آئے ہو اس بات پر نہایت استقلال و صداقت سے تلے ہوئے ہیں کہ ان نصب العین کو پیش نظر رکھیں گے، جو ہم لوگوں نے مل کر محمڈن اورینٹل کالج میں بنائے تھے۔

میں تمہاری اہلیہ کا کوئی تذکرہ مناسب نہیں تصور کرتا۔ جو اپنے اکلوتے بچہ کی وفات سے نصف دیوانی ہو رہی تھی۔ کہ یہ حادثہ بھی پیش آگیا۔ لیکن وہ اب تک خدا کی مرضی پر ہر حال میں راضی و خوش ہے۔ میں تمہاری والدہ کے متعلق بھی کچھ نہ لکھوں گا جنھوں نے دلیری و جرأت کے ساتھ مہاتما سے گفتگو کی۔ میں تمہارے والد کا بھی ذکر نہ کروں گا۔ جو اس حالت میں سب سے زیادہ خوش تھے۔ اور نہ میں وفادار فدؔا[1] کے متعلق کچھ کہوں گا۔ جس کا قدیم جنون اب تک قائم ہے۔ البتہ اس میں تازگی آگئی ہے۔ اور نہ نثارؔ[2] کا تذکرہ کروں گا جن کے لبوں سے مسکراہٹ کبھی جدا نہیں ہوتی۔

کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان امور پر تمہارا خیال سرِ دست راغب نہ ہوگا۔ میرے لئے بہتر ہے کہ میں محض یونیورسٹی کا تذکرہ کروں، جو کبھی ہم لوگوں کا وہ قدیم پیارا کالج تھا۔ اور اس میں جو لوگ رہ چکے ہیں ان کے لئے یہ یونیورسٹی کل علی گڑھ ہی نہیں، بلکہ ان کے لئے دنیا بھی ہے۔ کبھی یہ ہماری ماں تھی۔ اور اکتوبر میں اس نے دوسرا بچہ دیا جو ہم سب لوگوں کا سب سے پیارا بچہ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ بچہ صحیح و سالم ہے۔

افسوس ہزار افسوس کہ میں اب تک مہاتما کا مستقل ساتھی ہوں، اور یہ مستقل انسان برابر متحرک ہے، لیکن کیا اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی مسلمان اس بات کو مہاتما سے زیادہ محسوس نہیں کرتا۔ کہ ہم لوگ سب مل کر بہادرانہ مقابلہ کر کے اس

---

[1] فدا احمد خاں تصدق مرحوم کے چھوٹے بھائی۔

[2] مرحوم کے برادرِ خورد نثار احمد خاں شروانی موجودہ وزیر اُتر پردیش یو۔ پی۔

دنیا کے اس گوشہ کو قائم رکھیں۔ جو علی گڑھ کے نام سے موسوم ہے اور ان تمام باتوں کی پاک یادگار قائم رکھنے کے لئے جو آج ہم کو اعلیٰ و اشرف معلوم ہوتی ہیں یا پیشتر اعلیٰ و اشرف تھیں اس کو متبرک رکھیں۔

اب رخصت ہوتا ہوں۔ میں تم کو اس فضول تسکین و تشفی دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، کہ چند ہفتوں میں تم رہا ہو جاؤ گے۔ یعنی جب کہ جمہوریہ ہند کا اول صدر تمہاری ایسی چڑیوں کو سر دست جیل میں بند ہیں۔ قفس سے آزاد کرے گا۔ تمہارے "پَر" اس قدر مضبوط ہیں، کہ قفس کی تیلیوں کو شکست دے سکتے ہو۔ لیکن تم نے ایک سال کی قید سخت اس لئے منظور کر لی ہے، تاکہ تمہارے راجِ شاہی جیل خانہ کی شہرت میں فرق نہ آ جائے۔ تم کو جیل خانہ کے باہر آ کر کیا خوشی ہو گی جب کہ اب تک بہت سے شیروانی جو در اصل "شیروانی" نہیں ہیں۔ آزادی کی برکات کے مزے اُڑا رہے ہیں۔ اور بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں، جو زمینداری کی آمدنی سے کھاتے ہیں اور موٹے ہوتے ہیں۔ اور تم کو قید کرانے میں مدد دینے کے بعد گھٹنوں کے بل ٹیک کر کہتے ہیں "اچھے خداوند ہم پر رحم کر"

(تمہارا طائرِ جیل، محمد علی۔)

قیامت !

رئیس احمد جعفری کا تازہ ترین شاہکار

قیامت نام پڑھ کر آپ چونک نہ اٹھیں، جس انقلاب سے آپ گزر کر آئے ہیں وہ کیا قیامت سے کچھ کم تھا؟ اس ہنگامہ قیامت نے انسانی اقتدار کو پامال کر دیا، انسانیت کی بنیادیں ہلا دیں، عصمت اور عفّت، شرافت اور کردار کو بے معنی الفاظ بنا دیا لیکن، اس جنونِ رستخیز میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جنھوں نے انسانیت کی گرتی ہوئی عمارت کو تھام لیا۔ یہ ناول ان ہی متضاد کیفیات کا مرقع ہے۔

اس ناول میں آپ کے محبوب فنکار رئیس احمد جعفری کی آنکھوں سے گرے ہوئے وہ چند آنسو ہیں جب پنجاب جل رہا تھا، تباہ ہو رہا تھا، لُٹ رہا تھا۔

قیمت پانچ روپے

ملنے کا پتہ

"ایوانِ اشاعت" پوسٹ بکس ۲۱۱۔ گرانٹ روڈ کراچی

بے آبرو

قیسی رامپوری کا ناقابلِ فراموش ناول

قیسی رام پوری وہ ادیب ہے جس کے ناول انڈیا اور پاکستان میں شہرتِ دوام حاصل کر چکے ہیں۔ "بے آبرو" قیسی کا تازہ ترین ناول ہے جسے نئے اور انوکھے انداز ندرتِ بیان اور پاکیزگی خیال کے اعتبار سے معیاری درجہ حاصل ہے۔

عصمت اور آبرو کے چھننے کے بعد بھی عصمت اور آبرو باقی رہ سکتی ہے، یا نہیں؟

جب آپ جناب قیسی کے اِس ناول کو بہ نظرِ غائر مطالعہ فرمائیں گے۔ تو آپ فیصلہ کریں گے کہ بے آبرو کون ہوا؟

قیمت چار روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ

"ایوانِ اشاعت" پوسٹ بکس ۲۲۱۱ گرانٹ روڈ۔ کراچی

پرچھائیاں

سعیدہ عبدل کے بہترین افسانے

کون ہے جو سعیدہ عبدل سے واقف نہیں ہے؟ ادبی دنیا میں ان کا ایک الگ مقام ہے۔ ملک کے متعدد رسالے اور اخبارات ان کے رشحاتِ قلم کو ایک خاص درجہ دیتے ہیں۔

"پرچھائیاں" موصوفہ کا پہلا مجموعہ ہے جو منظرِ عام پر آیا ہے، جسے پڑھ کر آپ اندازہ کریں گے کہ سعیدہ عبدل کو امتیاز کا درجہ کیوں ملا؟ تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ وہ جو کچھ لکھتی ہیں خونِ جگر سے لکھتی ہیں۔ رومان ان کا خاص موضوع ہے اور اس کو آپ ہر افسانے میں بدرجۂ اتم پائیں گے۔

دو روپے بارہ آنے

ملنے کا پتہ

"ایوانِ اشاعت" پوسٹ بکس ۲۴۱۔ گرانٹ روڈ۔ کراچی

ایوانِ اشاعت کو یاد رکھیئے

جب کبھی آپ کو کسی علمی، اَدبی، تاریخی، سیاسی، مذہبی کتابوں کی ضرورت ہو، تو ہمیں لکھیئے، ہم آپ کو فراہم کریں گے۔
بلند پایہ مصنفین کی مطبوعات درکار ہوں تو فوراً ایوانِ اشاعت مطلع کریں۔

پتہ

ایوانِ اشاعت پوسٹ بکس ۲۴۱ گرانٹ روڈ کراچی

جنسی سرگوشیاں

ابو الخیر کشفی کی معرکہ آرا کتاب

جنسیات پر اب تک جس قدر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان سب پر "جنسی سرگوشیاں" کو خاص طور پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ کشفی صاحب نے اِسے بڑی جستجو اور تحقیق سے تحریر کیا ہے، جگہ جگہ تاریخی حوالے دیئے ہیں اور بتایا ہے کہ، جنس کیا چیز ہے اور اس کا تقاضہ کیا ہے۔ جنس کا اس سے بہتر نفسیاتی تجزیہ کسی نے آج تک نہیں کیا۔ انسانی نفسیات کا مطالعہ کرنا ہے تو اِسے ضرور پڑھیئے۔

چھپائی دیدہ زیب، کتابت نظر نواز، سائز ۲۰ × ۳۰ / ۱۶ مجلّد۔ قیمت تین روپے

ملنے کا پتہ

ایوانِ اشاعت۔ پوسٹ بکس ۲۴۱ گرانٹ روڈ کراچی